

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحُجَّۃُ الْمُبَشِّرُ بِالْجَنَّۃِ  
عَلَیکمْ دِینُ الْجَنَّۃِ

96-97  
CHECKED  
96/15  
BY 1964

ت روی هذہ لا شیاء و ممِّا هاد کا یقال کیف

الملف  
۱۴۸۰ء  
۵۔ ۱۲

# مکتبہ حجۃ صفات



لیسنی

کوچون خاب مولانا عبد الباری صاحب نے دی پروفیسر احمد آباد کالج رکھرات، نے اُل اندیا مholm  
بیوکنشن کانفرنس کے اعلان سعیرت مختصرہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں یا اور جس میں مہبوب عقیدات  
کی اختلاف نوعیت اور تبا عدیت کی توضیح تشریف کے تاباگی ہے کہ عقل و ذہب کے مابین

تھیں کی کوشش ایک سی لاحصہ ہے

حسب فرمایش

عالیٰ جانب آزریری جوانٹ سکرٹری صاحب کانفرنس

باہتمام محمد مقتدی خاں شردانی

مطبع ایسی یہی گلڈ کالج میں بن ہوا

و در صدر دفتر کانفرنس سے تابع ہوا





(A)

لِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ حَمْرَةٌ



دِسَابِر

جس قسم کا یہ مضمون ہے اس طرح کی بخوبی کے لیے بڑی بڑی کافر نوں کی جگہ  
چھوٹی چھوٹی مخصوص صحیتیں زیادہ موزوں ہوتی ہیں۔ مگر ”المامور معذ و حش“؛

محمد مختار مولن حبیب الرحمن خاں صاحب شریوانی کے حکم سے، آل انڈیا محمد  
ایجوکیشن کافر نوں کے بھرے پڑال میں، مذہب و عقاید کے موضوع پر تقریر کرنی پڑی  
یکن بڑوں کے حکم میں کوئی نہ کوئی بدلائی نہیں آتی ہے۔ کافر نوں کے عام پروگرام

کے سلسلہ میں امام سجحت کے یئے کیسے گنجائش سخن سکتی تھی۔ چنانچہ آدمی بات بھی نہ پوری ہوتے پانی۔ اس مجمع عام میں کچھ ارباب نظریٰ تھے، جن کو اس سجحت کی اہمیت نظر آئی، اور قلمبند کرنے پر اصرار کیا گیا۔ میر محلب (سرابر اہمیم رحمت اللہ) نے تو یہاں تک زور دیا، کہ اس کو انگریزی میں بھی ضرور آنا چاہیے۔

غرض اس طرح جو چیز صرف زبان تک رہنے والی تھی، وہ اب صفحاتِ کاغذ پر پیشکش ہے۔ ”ذہب و عقیدات“ کے باہمی تعلق کی نسبت جن غلط فہمیوں کے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تحریر میں آجائے سے نہ صرف ان کے حاضر سے غالب تک پہنچنے سہولت ہو گی، بلکہ لوگوں کو زیادہ سمجھیدگی سے غور و فکر کا موقع ملیگا۔

تاہم آئندہ کے یئے کافر لنس کے اہل حل و عقد سے گزارش ہے کہ اگر کوئی خالص علمی مضمون پر دگرام میں شامل ہو تو اس کے یئے عام کارروائیوں کے سلسلے سے الگ کوئی ذرمت نہ مانی ضرور ہے۔

لکھنے کے بعد قدرتہ مواد و ترتیب دونوں میں بہت کافی فرق ہو گیا ہے، اس یئے کہ تقریر کے وقت تقریر ہے کے لائق صرف کچھ یادداشتیں باقی تھیں۔

گجرات کالج۔ احمد آباد  
عبدالباری ندوی

نومبر ۱۹۴۸ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# لکھ پڑھ

”مذہب و عقاید“

پا جلاسِ محمدانی چو بیش کانفرنس منعقدہ سوت دسمبر ۱۹۱۸ء

---

حضرات، اردو زبان ابھی اس درجت تک نہیں پہنچی ہے کہ کسی بخیدہ اور گھرے مضمون کو اس یہاں نہ بنا�ا جاسکے۔ دوسری بخشی یہ ہے کہ نئی تعلیم و روشی کے دوستوں کو اپنی زبان سے استفادہ بے نیازی ہے کہ غیر زبانوں پر توصیت و نظریہ کو قربان کر دیتے ہیں، لیکن اردو کے لیے ایک گوشتہ حشم کے بھی رد ادارہ نہیں معمولی خط ٹاک صحیح طور پر نہیں لکھ پڑھ سکتے۔ دکن و گجرات کا پیٹ فارم اردو مقرر کے لیے اور بھی بیگناہ ہے، یہاں کے حالات مسلمانوں کو اپنی مشترک زبان سے آنسا نہیں ہونے دیتے، جتنا بھائی دیکھاں دیکھاں ولے ہیں اس لیے

لے یہ کچوچک بھل زبانی تھا اس لیے حوالوں کے مخففاً رکنے کا اہتمام نہیں کیا گی تھا۔ بعد کو قلم بندگی نے پر اصرار رکھا۔ اس اصرار کی نتیجی کے وقت بعض کتب ہیں پاس نہیں موجود ہیں۔ اس لیے کیس کیس ماخذ و صفات کے حوالے میں دیلے جا سکے ہیں۔

اگر آپ حضرات کی توجہ اور دچپی کو میں نہ حاصل کر سکوں، تو اس کی جواب دہی تمام ترمیرے  
محترم زرگ مولانا، صیب الرحمن خاں شروانی پر ہی، ہجھوں نے باوجود عدم رخواہی کے اپنے امر  
کو داپس نیتیانہ قبول فرمایا ۵

آئید ہست کہ بیگانگی عرفی را  
بدوستی سخنانے اٹانا بخشد

موضوع خطاب "ذہب و عقلیات" ہی ذہب سے مراد فوق الفطرہ (پرحریل) ہی  
یا چیزوں کا اعتقاد ہی، جو کسی نہ کسی صورت کے ساتھ عام مذاہب میں پایا جاتا ہی۔ عقلیات سے  
مقصود اس کی دو مختلف شاضیں حکمت (سائنس) و فلسفہ ہی۔

ذہب و عقل کی معکارہ آرائیوں کی دہستان یوں توہشہ کی اور سُنی گئی ہی، لیکن محالی  
صدی میں عقلیات نے جو ترقی حاصل کی ہی، اس کی بنابر کہا جاتا ہی کہ ذہب آخری شکست کھا کر  
اکھڑہ سے سخل چکا ہی۔ "هم داہل سائنس" نے خدا کی عارضی خدمات کا شکریہ ادا کر کے اس کو  
سرحد پر پہنچا دیا ہی۔ "عجائب سائنس" سے ہدیت زده اور تعلیدی پرستاران پر پکے حلقوں  
میں پہنچ کر یہ آوازیں اور زیادہ پرشور بن جاتی ہیں۔

آغازِ جنگ میں جہنمی کی عجائب کاریوں اور حربی احتراوات نے اس درجہ بنا  
آمیز شہرت حاصل کی تھی کہ طلبہ یوہ شہر باکے افسانے و اقعاد و مشاهدات معلوم ہونے  
لگے تھے۔ ایک اچھے خاصے پڑکے لکھے بزرگ نے نہایت یقین و سنجیدگی سے بیان کیا کہ جہنمی  
کی فوج کے تمام سپاہی لوہے اور کاٹھ کی مصنوعی پلیاں ہوتے ہیں۔ "عوام کی نفسی حالت  
یہ ہو گئی تھی کہ جہنمی کی نسبت بے سوچے سمجھے ہر بے سر و پا بات کے مان یعنے پر  
آمادہ تھے۔

میں اس زمانہ میں سلطان پور میں تھا۔ ایک دوست نے اکر حشم دید و اقعد بیان

کیا کہ ایک ایشن پر مسافر اتر کر جب باہر نکلے، تو کسی طرف نے نہایت خوف زدہ آواز میں پنگ کیا کہ "جرمن آگئے" اور بھاگا آنسو سنتا تھا کہ بیسوں آدمی بدھوں ہو گئے اور اباباں چھوڑ چھوڑ کر بعد ہر سر سجا یا بھاگ کھڑے ہوئے، ان احتمالوں نے آنانہ سوچا کہ جرمن بیان کیوں آئے لگئے، یعنی کیسے اور کہ ہر سے پہنچ گئے ذرا اُفر کر دیکھ تو لیں لیکن مرعوبیت اور بدھوں اس کی مہلت کہاں دیتی ہے؟!

مذہب و سائنس کی شکست و فتح تو الگ رہی، ہمارے نزدیک ان کی باہمی جنگ ہی اس سے زیادہ اصلیت نہیں رکھتی، بتا جرمنوں کا اس ایشن پر بے سان گمان آپڑنا ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ساتھ ساتھ یورپ کی مختلف ایجادات بھی آئیں جن میں سے ہر ایک ریل تاڑا لکڑی وغیرہ اچھے اچھوں کی عقش کو حیران بنادیئے کے لیے کافی تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ سامنے زمین کو توں کروزن معلوم کر لیا، روشنی کی شرح رفتار تبدیل، مرجخ میں دریا پھاڑ اور آبادی کا سراغ لگایا۔ اب جو اسکول اور کالجوں میں ہمارے فرزندان تعلیم جدید نے کیا یہ میں پایا کہ سامنے نے "خدا کو سرحد باہر کر دیا تو بھاپرے سمجھے کہ جو چیز ایسے ہے حرث انگریز اور سمجھ میں نہ آنے والے مجھے و کھاسکی ہے، جب اسی نے خداوند مذہب کو باطل ٹھرا دیا تو پھر اب کیا رہا۔ اس مرعوبیت کا آج تک یہ عالم ہے کہ لفڑیوں پر یا سامنے کا نام لے لینا، کسی بات کے منوانے کے لیے سب سے موثر استدلال ثابت ہوتا ہے۔

عقل برادران اسکول کا لج کو بسی دلچسپی کے ساتھ "مذہب و عقلیات" کے مطالعہ اور ان کے باہمی تعلق پر کبھی غور و فکر کی فرصت تو میرہ نہیں، اور نہ یہ سوچا کہ دو نوں ایک میدان میں اُتر بھی سکتے ہیں یا نہیں، لیکن عقل و سامنے کی فتح کے نتارچی بن گئے، اگرچہ مصرا درہندوستان وغیرہ میں وباڑا ٹرالی طرح پھیلی، تاہم اس کی ذمہ دار ہمارے نے تعلیم یافتہ اجات کی تہما مرعوبیت و نادانی نہیں ہے۔ اور اباباں بھی ہیں، جنہوں نے انجال کو عالمگیر نہیں دیا۔

۱- اولگ تو بعض ذمہ دار اور سائنس کے اکابر رجال مثلاً لاپلاس، ڈنڈل، ہکلے وغیرہ کی زبان و قلم سے ایسے الفاظ نکالے کہ عوام کا توکیا ذکر خواص تک اس دھوکے اور غلط فہمی میں متلا ہو گئے، کہ مذہب و سائنس کی دشمنی کا خیال کوئی بازاری گپ نہیں ہے۔ لاپلاس نے جب اپنی کتاب، *Meccanische Himmelsmechanik* پولین کو پیش کی تو اس نے کہا کہ "لوگ کتنے ہیں کہ تم نے یہ کتاب نظامِ عالم پر لکھی ہے، اور پھر یہ اس کے خالق کا نام نہیں لیا ہے۔ اس پر لاپلاس نے ختنوت کے ساتھ جواب دیا کہ" جنابِ دالا مخلوق اس قسم کے کسی فرض کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

ہکلے نے یہ کہدیا کہ "مادہ اور قویں مادہ نے عقیدہ خلق (جنس)، اور روح کے وجود کو باطل کر دیا ہے۔" اس طرح کی باتوں نے سائنس کی حقیقت سے ناواقفوں کے دل میں اور بھی مذہب کی نسبت دسوے پیدا کر دیے۔ اور ان کی مرعوبیت کو گویا ایک سند ہات آگئی۔

۲- لیکن حقیقت میں غلط فہمی کا سب سے بڑا فشار، اہل سائنس اور علماء مذہب کی عداوت کا معاملہ ہے، جس کا بہت کچھ ذمہ دار یورپ کا محلہ احتساب (انکوئیرشن)، ہے، جس کی قربان گاہ پرستوں و سلطی میں پاپاؤں کے ہاتھ میں یونیورسٹیوں محققین سائنس اکشافات علمی کے گناہ میں نذر حرق گئے۔ پادری سمجھتے تھے کہ زمین کا گول کھنابھی مذہب کی تردید ہے، کوئی نیکس نے حرکت اڑ دمر کریتہ شمس کے اثبات یا نظامِ فیاغورس کی تائید میں کتاب لکھی تو اس کا پڑھنا کفر دار پایا۔ گلیلیو نے دو رہنگی کی ایجاد سے کوئی نیکس کے اکشافات کی تائید کی، تو اس کو قید کی سزا میں اور قید ہی میں مر گیا۔ برونو اس حصہ میں جلا دیا گیا کہ "لقد دعوالم" کا قائل تھا۔

غرض اس محلہ نے یعنکڑوں آدمیوں کو مذہب کے نام سے تایا اور برپا دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ لوگ علم و مذہب کو حریف سمجھنے لگے، اس مغلطہ نے اتنا تسلی

حاصل کیا کہ ذریپرے ایک کتاب ہی معرفہ کہ مدہب و سائنس کے نام سے لکھا ڈالی، حالانکہ اس کا  
حاصل تمام تر وہی اہل سائنس اور علماء، مدہب کا معرفہ کے ہی۔

۳۔ میراثِ اس بعب خود مدہب کے نادان دوست ہمارے مسکلائیں ہیں اُنہوں نے  
اس پر تو عورت کیا کہ مدہب و عقليات یہ اصول کوئی تصادم ہے یا نہیں، اور ان دونوں کی  
تطبیق و مصالحت کی انجمن میں پڑ گئے، یا پھر حکمة و فلسفہ کی زبان سے جو بات بھی بخالی اُس کی  
تردید اپنا فرض مدہبی قرار دے لیا۔

سلامانوں میں جس شے نے عقل و مدہب کی باہمی منافت کے خیال کو سب سے زیادہ  
پھیلایا اور راسخ کیا وہ یہی علم کلام کی زیانکار ایجاد ہے، جس نے ایک طرف مدہب کو شدید  
صدمة پہنچایا اور دوسری طرف ذہنی تفتوں کو با و پھیلایا اور سطح آب پر نقش آرائیوں میں  
راٹھاں کیا۔

غرض علم و مدہب کے باہمی عناوں تصادم کا افراط جس قدر دراز اور عالمگیر ہے، اس  
سے بدرجمازیادہ بے بنیاد غلط ہے۔ اس صحبت میں اسی نکتہ کو آپ حضرات کے سامنے  
 واضح کرنا مقصود ہے کہ دونوں میں تطبیق، جیسا کہ بعض اجابت کو مقرر کی مولویت سے بدجگمانی  
ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ بالعموم عقل و مدہب کے میکانی استعمال سے لوگ سمجھو بیٹھتے ہیں، خصوصاً  
جب کسی مدہبی آدمی کی زبان پر یہ الفاظ آجائیں۔ لاج صحیح ہے ایک تعلیم یافتہ دوست فرمانے  
لگے، کہ ”مدہب تود یو الیس ہو چکا ہے، اب دیکھنا ہے کہ تم اس کی حمایت کیونکر کر دیو“  
مدہب و سائنس کی بے تعلقی کو پوری طرح سمجھنے کے لیے پہلے ان کے باہمی فرق اور  
بعدِ حقیقت کو اچھی طرح ذہن لشین کر لینا چاہئے، ریل کی دو گاڑیاں ملکرا سکتی ہیں اور ملکرا  
ہیں، لیکن ریل گاڑی اور جہاز میں تصادم ناممکن ہے، اس لیئے کہ ریل سمندر میں چل ہے  
نہیں سکتی ہے، اور نہ جہاز خشکی پر بعینہ یہی حال سائنس اور مدہب کا ہے۔ سائنس کا مدہب کی  
حدیں داخل ہونا اس سے زیادہ محال ہے، جتنا ریل کا پانی یا جہاز کا خشکی پر حلبا ہے، مدہب جہار

شروع ہوتا ہے، سامن کی رسائی وہاں ختم ہو جاتی ہے، سامن کا جو نہیا پر دار ہے مذہب کا وہ نقطہ آغاز ہے۔ سامن کی بحث و تحقیق کا تعلق تمام ترقیات (دین پر) کے واقعات، مشاهدات اور تجربات سے ہے۔ مذہب کی بنایکسر ذوق الفطرت اور تجربہ و مشاہدہ کی دسترس سے مادر اچیزوں پر ہے امشاداً خدا، روح، حشر و نشر وغیرہ۔

ایک عامی آدمی اور سانشیٹ کے تجربہ اور مشاہدہ میں اتفاق ہوتا ہے، کہ موخر الذکر اپنے مشاہدات و تجربات کو تفییض اور مختلف قسم کے اختبارات (اک پرینٹس) سے وسیع کر کے استقرانی (ابن طکو)، کلیات بناتا ہے، اور ان کی توجیہ و تشریح (اک پیشن) کے لیے اصول وضع کرتا ہے۔

ایک راہ گیر بھی سب کو درخت سے زمین پر گرتے دیکھتا ہے، لیکن نیوٹن کا ذہن اس واقعہ سے ایک وسیع اصول کی طرف متصل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے تجربہ کو پھیلاتا ہے، طرح طرح کے اختبارات سے پہنچاں ذہنی کو مصدق و مستحکم بناتا ہے، مختلف واقعات کو ایک سدلہ میں جوڑتا ہے۔ اور بالآخر اس نتیجہ پہنچتا ہے کہ سند رکھنے والے دوست، ستارات کی گردش نظام شمس کے قیام جیسے عظیم الشان اور مختلف واقعات میں بھی وہی علت و قوہ کا رفرما ہے، جو سب کے زمین پر گرنے میں اس قوت کا نام وہ کشش رکھتا ہے جس سے عالمِ جہانیات کا ایک ایک ذرہ بندھا ہوا ہے۔ آگے چل کر یہ قانون کشش دنیا کے سامن کا عظیم ترین اکٹاف قرار پاتا ہے۔

لیکن خود یہ قانون کشش کیا ہے؟ کیسے وجود میں آیا ہے؟ از لی ہے ماکسی کا مخلوق؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب میں علمائے سامن کی زبان میں گنگ ہیں۔ خود نیوٹن کو اپنی اُسی ساخت پر نیپیا کے خاتمه میں جس میں سامن کے اس ماہی ناز اکٹاف پر بحث ہے کہنا پڑا کہ "عالیم فطرت کی یہ نیزگیاں واجب الوجود کے ارادہ کے علاوہ کسی اور شئے نہیں ظاہر ہو سکتیں۔ وہ داجب الوجود جو ہمیشہ درہر جگہ موجود ہے، یعنی خدا کے برتر نامحدود"

قادر مطلق، یسمع ولبصہ اور کمال بحث ہتھی۔“

مشور حکم (سائنس) پروفیسر نڈل نے سائنس کی اس حقیقت اور محدود درسائی کو ایک عام فہم کی تعریف دیکھا یا ہے کہ ”اگر تم گھڑی دیکھو تو اس میں لمحتے، منت اور سکنے کی سویاں پھر تی تھرا مینگی۔ یہ سویاں کیوں پھرتی ہیں؟ اور ان کی حرکات کی یہ خاص یا ہمی نسبت جو ہم کو نظر آتی ہے کیونکہ قائم ہے؟ ان سوالات کا جواب بے گھڑی کو کھو لے، اس کے مختلف پرزوں کو اچھی طرح دیکھے اور ان کا ایک دوسرے سے تعلق معلوم کیے بغیر نہیں دیا جاسکتا۔ جب یہ سب کچھ ہو لیتا ہے، تو ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ سویاں کی یہ خاص حرکت گھڑی کی اس اندر ورنی ساخت اور میشین کا نتیجہ ہے، جو کوئی کی قوت سے چل رہی ہے۔ سویاں کی یہ حرکت صنعت ان ان کا ایک واقعہ یا حادثہ ہے۔ فانہن اکھا جا سکتا ہے، لیکن بیسہ بی حال واقعات دحوادث فطرت کا ہے۔ ان کے اندر بھی ایک مخفی میشین کا ر فرمایا ہے، اور ایک حرثانہ قوت ہے، جو اس میشین کو چلا رہا ہے۔ حکمت طبعی (فرنیکل سائنس) کا انہما کام اسی میشین اور ذخیرہ قوت پر سے پرداہ ہٹا کر یہ تباہی کہ یہ واقعات دحوادث انہی دو نوں کے فعل و انفعال کا لازمی نتیجہ ہیں۔“

لیکن کار رخانہ عالم کی یہ اندر ورنی میشین خود کیا ہے اور کیسے بنی؟ اس گھڑی کو کس نے کو کا؟ اس کی چلانے والی قوت رانربھی، کھاں سے آئی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے۔ علمی زبان میں یوں کہو کہ سائنس صرف شاذی اور قریبی عمل و اسباب پر سے پرداہ اٹھا کر دو اتفاقات عالم کی ایک گونہ توجیہ و تشییع کر سکتی ہے، عمل اول کا پتہ لگانا سائنس کے دائرہ بحث سے قطعاً خارج ہے۔ حکیمات (سائنس) کے ایک بڑے امام ہمکے نے اس عجز کا اعتراف ”سائنس کی پروافر“ میں جو بچوں کے پڑھنے کے لیے ہے، اس طرح کیا ہے کہ ”کسی شے کی بھی کامل توجیہ و تعییں نہیں ہو سکتی، کیونکہ ماننا ک اعلیٰ سے اعلیٰ علم بھی سلسلہ توجیہ میں آغاز ایسا کی جانب چند قدم سے آگے نہیں ڈر سکتا۔“

اب تم ہی سوچو کہ خدا یا علت ادالی کے ابطال و اثبات کا بوجھ سامن پر ڈالنا کیا منس  
کی حقیقت سے جمل اور ”**إِنَّمَا إِلَهُ الْحَقَّ**“ نہیں ہی؟  
کیا بوجھی ہی کہ جس ذمہ داری سے سامن کی کتاب اجب داس صراحت کے  
ساتھ اب اروانخا رکرتی ہے اُسی کا ہم اپنے جمل سے اُس کو مدعی بتاتے ہیں! عقل و دانش کے  
مدعی ان ان کی بے عقلی اور گمراہی کا سب سے زیادہ حسرت ناگ منظر وہ ہوتا ہے کہ بعض خارجی  
اتفاقات و حالات کی بنابر، وہ بہت سی ایسی چیزوں کو مسلم سمجھ بیٹھتا ہے، جو دل افہمت کے لحاظ  
سے اُسی قدر بے سر و پا ہوتی ہیں، جس قدر کہ مشہور و مقبول عام ہوتی ہیں۔

سامن کے ہزاروں طلبہ، اُس کے مختلف شعبوں کی تحصیل کرتے ہیں، اور ایک ایک  
شعبہ پر میںوں کتائبیں نظر سے گذرتی ہیں، جن میں ایک باب بھی ایسا نہیں ہوتا، جس میں  
خدا روح، حشر و نشر وغیرہ کے ابطال و اثبات سے ایک سائنس فک واقعہ و حقیقت کی حیثیت  
سے بحث ہو۔ پھر بھی یہ غونقا ہے کہ بے اعتقادی نے اعتقاد کی جگہ لے لی ہے، عقل نے صحیح  
آسمانی کی، سیاست نے مذہب کی زمین نے آسمان کی، عمل نے عبادات کی، ماڈی اعیان  
دو نزخ کی، اور انسان نے دیندار کی۔

بے شک ایک عالم بہیت اجرام سماوی آن کی پاہی کی شش اور قوانین حرکت سے  
بحث کرتا ہے اور کر سکتا ہے، لیکن کیا وہ اس کی شش و حرکت کی ماہیت اور انتہائی علت بھی  
بتاتا ہے یا بتا سکتا ہے؟ ریاضیات کا ماہر عدد اور مکان (اسپیس) کے علاوی کا پتہ  
لگا سکتا ہے، لیکن کیا وہ مکان کی اصل حقیقت کا بھی کوئی لشان دے سکتا ہے۔ اتنا  
بھی تو نہیں معلوم کہ یہ کوئی ذہنی شے ہے یا خارجی۔ علم الحیات کے اکتشافات سے یہ معلوم  
ہو گیا ہے کہ جاندار اجسام کا رب ایسحن، ہائی درجن، و نائب درجن سے مرکب ہوتے ہیں،  
لیکن کیا کوئی حیاتیات کا محقق اس کا سراغ لگا سکتا ہے، کہ ان مختلف مواد کی کیمیا وی کب

و تعامل سے زندگی اور اُس کے افعال احساس و شعور و غیرہ کیونکرادر کیسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ عالم کیمیا و طبیعت، سلامات دائیس ابرق، برق پارون (الکٹرنس)، اور ایمھر کے وجود کا دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن کیا وہ بھلی اور ایمھر کی حقیقت کے علم کا بھی دعویدار بن سکتا ہے؟ ایسی علم و حکمت کی جس صفت کو بھی دیکھو، یہ بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ "وجہہ وعلیٰ کا سلسلہ آغاز اشاء کی طرف چند قدم سے آئے گے نہیں بڑھ سکتا۔ ان اనی لاعلمی اور جمل کی تاریکی کے مقابل میں علم کی روشنی کا آنا حصہ ہی نہیں، جتنا گلخانہ و گھر کھٹا کے عالمِ ظلمات میں بھلی کی ایک آنی چمک کا ہوتا ہے۔ کیونکہ مذہب اسی ظلمات میں اعتقاد و ایمان بالغب کی مشعل سے رہنمائی کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ عقل و حکمة (ریزن و سائنس) کی چمک تاریکی کے ان بادلوں کو چھانٹ ہی نہیں سکتی، اُس کا چراغ ہدایت اس بحثِ ظلمات میں داخل ہوتے ہی گل ہو جاتا ہے۔

گران ان کی فطرت میں کریم ہے، اُس کو بال کی گھاٹ نکالے بغیر میں پتی ہی۔ اس سے وہ صرف حوادث و نشوواہ (پیرنسز) کے جان لینے پر قاعدت نہیں کر سکتا تھا۔ فکر ہوئی کہ عالم جیشیت مجموعی کیا ہے؟ اُس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ انہما کیا ہوگی؟ ذہن اور موجودات خارجی کی اصل حقیقت کیا ہے؟ ہم کیا ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جانا ہے؟ غرض کائنات فطر (نیحر) سے بخل کر فوق الغطرة اسرار پر سے پرده اٹھانے کی خلش پیدا ہوئی، جو عقل انسان کے لیے بخوبی منوع تھا۔

ان سوالات کے پیدا ہوتے ہی آدمی سائنس کی چار دیواری سے بخیل کر فلسفہ ما صحیح معنی میں مَابعد الطبيعات (میٹافیزیکس) کی نامحدود فضایں، اُنھیں ہو جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر علم طبیعیہ (فیزیکل سائنس) کے یقینیات و قطعیات کا سر رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ یہ طن و قیاس کا عالم ہے، جہاں کسی بات کی قطعیت و یقینیت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

ہر کس زیر قیاس چیزے گفتہ  
معلوم نہ گشت و قصہ کو تماہ نہ شد

نہ ہب اپنی الیاتی (میٹا فریکل) مسائل سے مگر آتا ہے، اور جگ و صلح کا جو کچھ امکان ہے وہ "نہ ہب و فلسفہ" میں ہے اور کہ "نہ ہب و سامن" میں۔ اس لیے اصل بحث "فلسفہ و نہ ہب" کے باہمی تعلقات کی توضیح و تصحیح ہے جس کے سمجھنے کے لیے یہ متن باتوں کو میش نظر کنا چاہئے۔

(۱) فلسفہ اور نہ ہب کی منزل مقصود ہے شک، ایک کمی جا سکتی ہے، لیکن دونوں کی را ہیں اس قدر مختلف اور الگ ہیں کہ اگر غلط فہمیوں اور خلط بحث کو صاف کر دیا جائے، تو تصادم کا کوئی احتمال و اندازہ نہیں رہ جاتا۔ نہ ہب کی بنیاد تمام ترا میان واعقاد پر ہے، اور فلسفہ کی تغیریں اس استدلال سے ہوتی ہیں۔ نہ ہب کے اندر جہاں عقل آرائیوں کو راہ دی گئی، وہ اپنی قوت و حقیقت گم کر کے فلسفہ بن جاتا ہے۔ (تفصیل آگے آ دیگی)۔

(۲) بحث کا اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر تصادم ہو بھی، ما بھم یہ کہنا یا سمجھنا سخت جمل ہو گا، کہ فلسفہ و مذاہلات نہ ہب کو آخری اور قطعی طور پر باطل یا ثابت کر سکتے ہیں۔ فلسفہ والیات خود اتنے متناقض آراء و حالات کے مجموعہ کا نام ہے کہ نہ تو وہ معید حق بن سکتا ہے، نہ اس کی بن پر عقل و نہ ہب میں سے کسی کی نستھن و سرہمت کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ اس کی غرض ان ان کی صرف اسی فطری کریدا اور موشک گافیوں کی تکمیل ہے، جو اس کی عقل کو باوجود اعتراف نہ سائی، ما بعد العطیعات کی ارض ممنوعہ میں قدم رکھنے پر مصروف ہے اختیار کر دیتی ہے۔

(۳) سب سے آخری بحث یہ ہے کہ فلسفہ کی دھائی ہزار بیال کی تاریخ ہمارے سے موجود ہے۔ دیکھتا یہ ہے کہ واقعیت کے بھانٹے اس طویل تاریخ میں فلسفہ کس حد تک نہ ہب کے حریف و عین درہ ہے؟ اس کا صحیح جواب لیکن یہ دیا ہے، جس کی تقدیق و شہادت میں قدم عزم جدید فلسفہ کے مجلدات ہم آہنگ ہیں کہ فلسفہ کا قلیل و سطحی عسلم الحاد کی طرف مائل کر دیتا ہے، لیکن اس کا گھر اعلم نہ ہب سے قریب کر دیتا ہے۔

تاریخ فلسفہ کا ذفتر ہوی تو بے پایا ہے۔ لیکن اس کا پنجوڑ چار نہ ہب دا سکول ہے۔ (۱) ثنویت یا دوسری (۲) تصوریت یا روحیت (۳) مادیت ہے اور (۴) ارتیا بیت۔ ان میں کو دو نو

اَوْلَى الْذِكْرِ تُوبَرَاهُ رَاسْتِ يَا بَالُوا سَطَهُ مَدْهُبُ کے مُؤْيِّد و حَامِی ہیں۔ تَمِيرَ مَعَانِدُ ہی، اور رَجُوْحَهُ نَدَوَسْتَ نَهْ دَشْنَنَ۔

شُنُونِت کا حاصل یہ ہے کہ کائنات میں دُبا کھل مختلف و متضاد چیزیں موجود ہیں، جسم و روح ایک قطب علیے جس و حرکت مادہ کا ڈھیر ہے، دوسری مجرداً و عقل و شعور کا مصادر ہے۔ عمد قدیم کے سب سے پرانے فلسفی و حکیم ارسطو کا مسلک یہی تھا۔ دو ریجیڈی کے آغاز تک دنیا کے فلسفہ کا بیشتر حصہ اسی کا پیر درہ ہے۔ فلسفہ جدیدہ کا ابوالآباء ڈیکارٹ بھی ارسطو ہی کا مسلک تھا۔ تمام مذاہب کی ظاہری تعلیمات کا بھی یہی خلاصہ ہے بلکہ تھج پوچھو تو روح ہی کا عقیدہ مدت کی جڑ ہے۔ باقی جزا دشمن، حشر و نشر وغیرہ اسی کی تفریعات ہیں۔

دونوں کے ماننے والوں کے خلاف ایک طرف تصور یہ ( آئٹ ملٹیٹس ) کا یہ دعویٰ ہے کہ اصل الاصول ایک ہی شے ہے، اور وہ روح، عقل یا ذہن ہے باقی تمام عالم جیسا تھا اسی کا تصور، پرتو، یا اور کسی نہ کسی طرح سے اسی سے پیدا و مستنبط ہے۔ مادیات کا مستقبل وجود محض ایک قسم کا فریب ( ایوثرن ) ہے اس مسلک کا پرانا رہبر فلاطوں مانا جاتا ہے جس کی جگہ خالص فلسفہ کی نرم میں ارسطو سے بھی بلند تر ہے۔ اور عمد حاضر کے تو کہنا چاہئے کہ تمام اس طین فلسفہ اسی ایک علم کے نیچے جمع ہو گئے ہیں۔ اپنوزا، لینز، برکلے، سفنه شینگٹ، ہیگل، برگن سب کے سر اسی ایک تماں پر آ کے ٹوٹتے ہیں۔ مذہب میں صوفیہ اور ارباب باطن سے ان قائمین تصوریت کے ڈانڈے اس قدر لی جاتے ہیں کہ صرف حال اور قال کا پردہ رہ جاتا ہے۔

دوسری طرف طبل مادیت کی یہ صد اہم کہ بے شک اصل الاصول ایک ہی شے ہے لیکن یہ روح نہیں ہے بلکہ مادہ ہے۔ عقل و شعور وغیرہ جن کو تم افعال روح خال کرتے ہو، یہ ذرات مادی ہی کے اجتماع، ترکیب اور تعامل کے نتائج ہیں۔ یہ مادہ اور اس کی قوت یا انجی دلو نوازی اور غیر مخلوق ہیں۔ اور اس لحاظ سے دلو ایک ہی ہیں کہ ایک دوسرے

سے انفکاک یا جُد اہونما نہ ممکن ہے۔

مادہ یا قوت ہی کے بندھے ہوئے مقررہ طریقی عمل اور اصول عمل کا نام فطرت (نحو) اور قوانین فطرت (لائزات) یخچرا ہے۔ ساری کائنات ارضی و سمادی، اسی فطرۃ اور مادہ سے پیدا ہے۔ کسی خارج مستقل الوجود، صاحب الامر خالق یا خدا کی احیاج نہیں ہے۔ "فطرت خود بخود خداوں کی، اخلاق کے بغیر سب کچھ کر لسی ہے۔" مادہ خالی ہیولی یا محض منفعل ذات نہیں ہے، جیسا کہ فلاسفہ اُس کی تصویر کہنچتے ہیں۔ بلکہ وہ مادر کائنات ہے جو خود اپنے ہی رحم سے تمام سائچ برمدگرتی ہے۔

پس فلسفہ کے مذاہب اربعہ میں یہی ایک مذہب ہے، جو الحاد اور بے دینی کے نتائج پیدا کر سکتا ہے یہ اسکوں اگرچہ اتنا بھی قدیم ہے، جتنا کہ خود فلسفہ اور آج سے تقریباً ڈھالی ہزا پہلے دیمیر اطیس کے ہاتھ مستقل نظام (سیسم)، کی صورت اختیار کر چکا تھا، لیکن قدیم زمانہ میں، اس کی تعلیمات کو کچھ زیادہ روایج اور قبولیت نہ حاصل ہو سکی۔ دیمیر اطیس کے مشاہیر اتباع میں، ایسکیورس، لیوکرٹیں، دیغیرہ کے دو چار ناموں سے زیادہ نہیں ملتے۔ قرون وسطی میں مدرسیت کے نقابرخانہ کی صدائیں اس قدر فلسفہ کی فضایں گونجی ہوئی تھی کہ کوئی اور آزاد انسانی میٹی پتی تھی اور "مادیت" کی ہستی تو بس طاقتیں کے نفترش و گزارے زیادہ نہیں رہ گئی تھی۔ سولہویں صدی کے آخر میں برلن نے ان فراموشیں نقش و گزار کو یاد کیا، تو اس حسرم میں محل احتساب کی آتش غیظ و غصب نے اس کو آگیں جھکوادیا۔

اس عاشق علم کے سی ہو جانے کے بعد ترھویں صدی میں جہاں سے اور چزوں کے ساتھ، فلسفہ کا بھی "عصرِ جدید" شروع ہوتا ہے، گنبدی نامی ایک شخص نے دیمیر اطیس کو پھر زندہ کیا۔ اور یہی کہ دنیا کے سائنس میں اب وہ زندہ جاوید بن گیا ہے۔ اور اس پر لہ، لہ، علی الرتیب لیوکرٹیں اور برلن کے مقولے ہیں۔

نظریہ سلاماتِ مُلّت حکمہ میں داخل ہو گیا ہے۔

لیکن اس نظریہ مادیت کو ایجاد و انحراف مذہب کا سرخشمہ بنانے میں سب سے زیادہ حصہ جس چیز کا ہے، وہ پچھلی دو صدیوں میں سامن کے عظیم ایثار انکشافات و تحقیقات کے نتایج ہیں۔ ان میں سے چار ہماری موجودہ بحث کے لیے زیادہ اہم ہیں (۱) استمرار مادہ وقت۔ (۲) نظریہ اصل ا لانواع یا ارتقا (۳) کمیابی مواد حیات کا علم (۴) افعال ذہنی و جسمی کا تعلق۔

یا ان مسائل سامن کی تائید یا تضییف مقصود نہیں، زان کی داقیت و قطعیت میں شک پاندازی، بلکہ محض ان مغالطہ آمیز نسلیں پرے پرده اٹھا دینا ہے، جن پر عوام کی خواص میں کی نظر نہیں پڑتی، اور جو محض غلط فہمی اور خلط بحث کی بدولت مذہب کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے آخرالذکر کو لو، یعنی افعال ذہن جسم کا تعلق۔ شنویہ کی طرح اہل مذہب کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ روح جسم سے ایک بالکل مختلف بلکہ متصاد حقیقت وہستی ہے اور جسم اُس کے لیے محض ایک آلہ عمل ہے۔ افعال ذہنی اسی روح کے افعال ہیں۔ اس باب میں سامن کی تحقیقات یا علم "افعال الاعضا" (فرنیا لو جی)، کے انکشافت کا حاصل یہ ہے، کہ ہر ذہنی یا رو جی فعل کے مقابل میں کوئی نہ کوئی جسمی تغیری پایا جاتا ہے۔ اگر افعال ذہن میں کچھ ضلل و اقع ہوتا ہے تو ساتھی ملغ یا اعصاب میں بھی کوئی نہ کوئی فتوڑتا ہے۔ یہاں تک کہ مختلف افعال ذہن شعور، حافظہ، ادرارک وغیرہ کے لیے، و ملغ میں الگ الگ خاتے یا ہتھے ہیں، اور ایک ہوشیار عالم عضویات ان حصوں میں سے جس کو چاہے علیحدہ کر کے ذہن کے اس فعل کو باطل کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر حافظہ کا حصہ دماغی کا نہ کسرے کسی طرح خال لیا جائے، تو پھر اس آدمی کو کوئی بات یاد نہ رہے گی۔ کتوں وغیرہ پر اس قسم کے تجربات کے بھی گئے ہیں۔ غرض تجربہ ہتھیار سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ افعال ذہن و تغیرات جسمیہ ساتھ ساتھ پہنچتے ہیں۔

اس تجھے استقرائی کے تسلیم میں عذر نہیں لیکن اس سے آگے بڑھ کر اہل مادیت کا  
یہ تجھہ اخذ کرنے کے افعال ذہن ان تغیرات جسمیہ کے ہی پیدائیکے ہوئے یا معلول ہیں، تغیرا  
پر مبنی ہی، اور نہ یہ فزیاً لوجی کی کوئی سانسکار تحقیقات ہی۔ ماہر غضبویت آنا اور صرف آتا جاتا ہی  
کہ جب شعور و ادراک کا فعل واقع ہوتا ہی، تو ساختہ ہی ساختہ کا شر کے اندر جو بھورے زندگ کا مادہ  
بند ہی، اُس میں بھی ایک خاص تغیر واقع ہوتا ہی۔ اب اس کی تعلیل کے لئے جس طرح یہ صورت ممکن  
ہی، کہ شعور و ادراک اس بھورے مادہ کا آفریدہ و معلول ہو، اس سے کسی طرح کم درجہ کا امکان  
یہ نہیں ہی کہ شعور و ادراک کسی اور غیر مادی ہستی کا فعل ہو جو اعصابے دماغ و نظام عصبی کو بطور  
ایک آر کے استعمال کرتی ہو۔

یہ بحث مابعد الطبعیات کی دینیا کے طبقات و قیامت کی ہی تنشیں بھاہ لگا سکتی ہیں کہ مشفک  
واقعہ کی طرح تجربہ و مشاہدہ سے اس کا کوئی قطعی دلیلی فیصلہ کر سکتی ہی، اس بنا پر اب محققین و گار  
علماء سُمن کا صرف آتا ہی دعویٰ ہے کہ افعال ذہن و تغیرات جسم ساختہ ساختہ اور ایک دوسرے  
کے متوازنی واقع ہوتے ہیں، اور سین باتی ان کو باہمی تعلق کا رک کون علم ہے (اوکون مصل) نہ علم ہی  
اور نہ اس کے جانتے کا کوئی ذریعہ ہے۔ پروفیسر شڈل جو اپنے خطبہ بمعاشرت کی بدولت مدد و  
مادہ پرست سب کچھ کہا جاتا ہی، اور جس کا شمار رجال سُمن میں ہی اُس کا اعتراف سنو:-

”اگر ہمارے ذہن وہ اس کی وسعت، قوت اور روشنی اس درجہ پر جاتی اور سرمو  
کہ ہم دماغ کے خود مکرات، مالی کیو لز، جسم کے غیر مرئی ذاتات، کو اپنی انگلیوں  
سے دیکھ سکتے اور محسوس کر لیتے، ان کے تمام حرکات مختلف اجتماعات اور برلنی اعمال  
(کو اگر ایسا ہوتا، ایک ایک کر کے جان لیتے اور ان کے مقابل  
کی کیفیات فکر و ادراک سے پوری طرح آگاہ ہوتے، جب بھی اس معتمد کے حل کرنے سے  
ہم اُتنے ہی دور پڑے رہتے، جتن کہ ہمیشہ رہے ہیں کہ یہ جسمی تغیرات و افعال شعور سے

کیونکر دالبستہ ہیں یا آن میں کیا تعلق ہے؟ ان و قسم کے واقعات کے دریان جو خندقِ حائل ہے، وہ اب بھی عقل کے لیئے ناقابل عبور ہی رہتی۔ فرض کرو کہ شعورِ محبت کا تعلق داہمی جانب کے مکراتِ دماغ کی ایک پیداوار حرکت سے ہے اور شعورِ نفرت باہمی جانب کی اسی قسم کی ایک پیداہوتا ہے تو حرکت کا رُخ اکی طرف ہوتا ہے اور شعورِ نفرت کے دقت دوسری طرف لیکن ”کیوں؟“ اس کا جواب بعثیہ اُسی طرح ناممکن رہے گا جسا کہ پہلے رہا ہے۔ . . . . .

”یہ نہیں سمجھتا، کہ کوئی مادی یہ کہنے کا حق رکھتا ہے، کہ اس کے ان مکرات کی حرکات و اجتماعات د گرد پس سے ہر شے کی توجیہ و تشریح ہو جاتی ہے حقیقت یہ ہے، کہ ان سے کسی شے کی بھی توجیہ نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ وہ جو پچھو دعویٰ کر سکتا ہے، وہ صرف ان و قسم کے واقعات کی بائی وابستگی کا ہے، جن کے حقیقی رشتہ اتحاد و وابستگی سے وہ مطلق جاہل ہے جسم روح کے تعلق کا مسئلہ آج بھی اپنی موجودہ صورت میں اُسی طرح ناقابل حل ہے، جس طبعِ عصرِ حکمت و سامن سے پہلے ہوا، ہم نظامِ عصبی کے ارتقا کا پتہ لگا سکتے ہیں، اور احساسِ ذکر کے متوازی واقعات کو اس سے دالبستہ بنا سکتے ہیں۔ آنا ہم غیرمشتبہ یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ دو نوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ لیکن جب ہم ان کی بائی وابستگی کی حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو وہ محض ہو ان اپنے کی کوشش ہوئی ہے۔

(۲) روح بھی کی طرح ”حقیقتِ حیات“، کارا ز بھی سرستہ ہے۔ کوئی نہیں تباہ کتا، کہ زندگی کیا ہے؟ کہ ماں سے آئی؟ کیونکر پیدا ہوئی یا ہوتی ہے؟ یہاں بھی سامن کا قدم اپنی رسائی کی حد تک جا کر رُک جاتا ہے۔ اور بھرپور استقرار سے صرف آنا دریافت ہو سکا ہے، کہ حیات کی سے ابتدائی اور انتہائی سے انتہا بیطیغت کیا ہے۔ اس کا نام علم الحیات کی مطلح میں پڑھو پڑھو۔

۱۷ ”طبیات و معالات“ از شذل صفحہ ۹۵ ار۔ پی سریں۔

۱۸ عبد بغاٹ صفحہ ۳۔

جو بہ قول کئے کے مادی یا جسمی اساس حیاہ، اور تمام معلوم اصناف زندگی کی بنیاد ہی محصورہ حیات اسی پروٹوپلارم کے چھوٹے بڑے مختلف الاظاع اجتماعات و مرکبات کی ابادی ہی۔

کیمیٹری نے ایک گہ اور گھولی ہی اور یہ پتہ لگایا ہی کہ یہ بیط اساس حیاہ کا ربن، ہائڈر و جن، ایک جن اور ٹانٹر و جن کے بساٹ عناصر سے بنتا ہوتا ہی۔ ان کیمیادی اجزایا "مواد حیاہ" کے معلوم ہو چکنے بعد سے اہل سامن کے حلقوں میں یہ آمید بھی بازدھی جانے لگی ہی کہ کیا عجب ہی، کہ وہ دن بھی اگر رہے جب کہ لبوریٹری میں ان عناصر کی ترکیب سے ہم زندگی اُسی طرح پیدا کر لی کریں گے، جس طرح اج ایکن اور ہائڈر و جن ملا کر پانی بنایتے ہیں اُس دن گویا راز زندگی کھل جائیگا۔

بلاشبہ ایسا ہونا کچھ ناممکن نہیں ہی۔ اور اس حد تک راز زندگی کھل بھی سکتا ہی، کہ سامن کے ہفت خواں کی یہ حسنی منزل ہو گی۔ لیکن کیا اس سے حقیقت حیاہ کا آخری عقدہ بھی کھل جائیگا، کہ زندگی بالذات کیا ہے؟ ان بے جان عناصر کے خالی اجماع سے جان کھاں سے اور کیونکر آجائی ہی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب سے سامن کی زبان اسی طرح عاجز ہی جس طرح یہ تبلانے سے بے بس تھی کہ "د اہنی جانب کے مکرات دلاغ کی حرکت شے شعور محبت اور با میں جانب کے مکرات کی حرکت سے شعور نفرت کیونکر اور کیسے پیدا ہو جاتا ہی؟"

دس، ذہب کی عمارت کا بڑا حصہ روح اور حیاہ کی پراسرار نیادی پر قائم ہے اتنے اگر سامن نے ان اسرار کے افشا کا ادعای کیا اور اہل ذہب اس پر ٹکٹک کوچھ زیادہ بیجانہ تھا۔ لیکن سخت حیرت کی بات یہ ہی کہ تحقیقات اصل الاظاع را ویجن آف پیشتر، یا ارتقا کے نکثافت سے کیوں رباب ذہب آنابھر ک آئے۔ بات وہی ہی کہ مروعہ اور وہشت زده آدمی کو سایہ پر بھی دیو کا لگان ہونا ہے۔

ورنہ اگر قانون ارتقا کو ایک ناقابلِ انحرافیت بھی مان لیا جائے، اور یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ جسم کے ساتھ حیاہ دردح میں بھی ارتقا ہے، تو بھی ان کی ما بعد الطبعیاتی (متیا فرنگل) حقیقت کا راز اُسی طرح سربہ بھر رہ جاتا ہے، جیسا کہ اس انکشاف سے صدیوں پہلے تھا۔ نظریہ ارتقا اس سے زیادہ کچھ بھی دعویٰ نہیں کر سکتا نہ کرتا ہے کہ ان ان کے جسم کی موجودہ ساخت اور اس کے نفس و روح کے افعال کا موجودہ درجہ ذی حیات اجسام و نقوص کے ابتدائی مدرج سے آہتہ آہتہ ترقی کر کے اس حد تک پہنچا ہے۔

لیکن یہ بعینہ دہی شے ہے جس کو ہم روزانی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور ذرا بھی متعجب نہیں ہوتے۔ بچے کے دردح یا ذہنی افعال و لادت کے دن سے لے کر ڈارون "ہونے کے دن تک جس طرح تبدیل نشوونما پاتے ہیں اور تعلم، صحبت، و تندستی وغیرہ کے خارجی حالات عقل ذہن کی ترقی و تربیت پر جو اثر رکھتے ہیں، اُس کوں نہیں جانتا۔ پھر بچہ، "ما، دا، فق" کے چند قطرات سے ان ان کا مل کی صورت تک پہنچنے میں نو مہینوں کے اندر رکھنے چوئے تبدیل کرتا ہے، سانپ اور بندر خدا جانے کیں کین مخلوقات کے عالم جنین سے گزرتا ہے جب تک کہیں ہس قابل ہوتا ہے کہ "اشرفت المخلوقات" کا بچہ کھلا ہے۔ فرق صرف تھات کا ہے۔ "ما، دا، فق" کے جراثیم کو ان ان بنئے میں نو ہی ہینے لگتے ہیں۔ لیکن ادنیٰ درجہ کے حیوانات کو ان ای "احسن تقویم" تک پہنچنے میں آن گنت صدیاں لگ گئیں۔ بچہ کی بے عقلی سچاں ہی سال میں ٹڑھ کر "اصل الارواع" کے مصنف و مكتشف کی عقل کے برابر ہو جاتی ہے، مگر نفس حیوانی کو روح انسانی تک کی مسافت می کرنے میں ہزاروں برس صرف ہو گئے۔

اس یہے اگر قانون ارتقا کے علم سے مذہب کی زمین پرزلزلہ کا کوئی صدمہ بخواہو تو ڈارون اور سائنس پیغمبر کے وجود سے پہلے ہی مذہب کی عمارت کو زمین دوڑ ہو جانا

لہ نسیہ (۱۹۰۳ء) اپنے نے قانون ارتقا کو اس قدر وسعت دی کہ ذہنی، تمدنی، اخلاقی، اجتماعی نام چیزوں اس کی بحث میں آگئی ہیں۔

تھا۔ لیکن اگر مذہب کی تعمیر اسرار درج و جسم کے اُس اساس پر ہی، جس کی گرانی تک سائنس کا دامنه بھی نہیں جا سکتا ہے، تو مذہب کے دامن مک سائنس کا گتھا خ ہاتھ نہ آ جائے مک دراز ہو سکا ہے، نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔

ایں زمیں را آسمانے دیکھتے

(۳) روح، حیات اور اصل الالواع سے متعلق سائنس کے ان اکتشافات کو، زیادہ سے زیادہ، مودیات ماویت کھا جا سکتا ہے۔ لیکن اصل جسم کے یہ سب برگ و بارہیں، استمرار مادہ و قوّۃ کا ادعاء ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ مادہ اور اُس کی قوت دو نوع ازلي اور ابدی ہیں۔ ان کو نہ کسی نے پیدا کیا، نہ کوئی فنا کر سکتا ہے اور ان کا وجود ایک دوسرے کے ساتھ غیر منفك طور پر والبستہ ہے۔ عالم کی عام نیزگیاں، زمین و آسمان کی ساری عجائب کاریاں اور جسم درود کے سراپا مظاہر، مکر و کلیتہ بلاہستہ ان ہی دو کے خلق و امر کا تاثر گاہ ہیں۔

اولاً تو "استمرار مادہ" کا نظریہ، محض ایک نظریہ اور ما بعد الطبعیاتی نظریہ ہے، تو اول ایک حال کے عالم سائنس کا (الگزندز استمرار) کہ اس کا تعلق ایسے "مفرد ص واقعات سے ہے جو کویا بخیر ہمارے تجربہ کی حد سے باہر ہیں۔ اس لیے یہ ایک فوق الفطرة نوعیت کا مسئلہ ہے جس کی اصلی جگہ ما بعد الطبعیات میں ہے، یہ کوئی ایسی سائنسی حقیقت نہیں ہے، جس کی نفع نہ کی جاسکتی ہے۔ بلکہ ہمارے زمانہ کا مشہور و مسلم سائنسی سرالریلاح تو علی روں لا شہاد کرتا ہے کہ "مادہ کا فائدہ تکوین اچھی طرح تخلی سائنس کے اندر دا خل ہے اور امکان تجربہ کی حد میں آ سکتا ہے"۔

لیکن ہمارے مقصد کے لیے اس باب میں اہم المباحث، نفس باہدہ کی حقیقت دست بابت کا مسئلہ ہے، مادہ کیا؟ اس کی نسبت ان ان کیا جانتا ہے یا ایجاد سکتا ہے؟ تو سے اس کا کیا تعلق ہے؟

اُخبار و تجربہ کی مدد سے حقیقتِ مادہ کے متعلق سائنس جن قیاسی نتائج تک پہنچ سکی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی قسم کے بھی مرکب خواہ مفرد اجسام اگر تم تحصل و تقسیم کرتے چلے جاؤ تو بالآخر وہ لیے چھوٹے سے چھوٹے اجزاء یا ذرات پر جا کر پڑ جائیں گے، جن کی اب آئے گے تقسیم و تجزیہ نہیں ہو سکتی۔ ان ہی کا نام سالمات (ایم) ہے۔ ہر دو سالموں کے بینج میں کچھ نہ کچھ فضل یا دُوری ہوتی ہے جو ایک اور لطیف ترماقابل ذریں مادہ سے پُر رہتی ہے۔ اس کا نام ایم ہے۔ یوں سمجھو کر کائنات کی ساری فضنا ایم کا ایک سمندر ہے، جس میں سالمات تیرتے چلتے ہیں۔ زیادہ حال کی تحقیقات یہ ہی کہ ان سالمات کی تعمیر ایک اور قسم کے ناقابل تصور چھوٹے چھوٹے ذرات سے ہے جو جعلی کے ہیں۔ ان کو الکٹرانس (ذرات الکٹرانی) یا برق پارہ کہا جاتا ہے۔ ان قیامتات کو صحیح مان کر، جو حقیقت میں صرف ساخت مادہ پر روشنی ڈالتے ہیں، ماہیت مادہ سے کوئی سُر کار نہیں رکھتے، اب سوال یہ ہے کہ خود سالمات یا الکٹرانس کیا ہیں؟

اس کے جواب میں سائنس والے چیان بھاجاتے ہیں۔ ”کوئی کہا ہے کہ جنم کے یہ آخری و انتہائی اجزاء ترکیبی مرکز قوت ر سٹر لائزڈ فورس (ایسی کسی کا ادعا ہے کہ نہیں ان کی اصل ما بعد الطبعیاتی نقطوں (میٹافزیکل پاوٹنس) کے زیادہ نہیں ہے، جو کون سے حرکت میں اگر قابل حس مادہ کی صورت اختیار کرتے ہیں، اور کوئی سالمہ کی جگہ فقط اقلیدسی یا ہندسی نقطہ لائق ہے جو مدد قوت ہے (خواص مادہ از پی جی میں)، الکٹرانس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھرا ایم کے گرداب، اُس کے توجات کی گریں یا اُس کی سطح کی شکنیں ہیں۔ غرض یہ

چوں نہیں نہ حقیقت رہ افسانہ زدنہ

بات یہ ہے کہ جس طرح نفس مادیت ایک خالص فلسفیانہ مسلک ہے جس پر بحث دائرہ سائنس سے خارج ہے۔ اسی طرح عقليات میں ماہیت مادہ کی نسبت موشکانہ فیوں کا حق

بھی تہماں اب بعد الطبعات ہی کو حاصل ہی، اور سائنس کا دلیل مہمیت اشیا کی تحقیق نہیں ہی۔ لہذا اس بحث کے تصوفیہ کے لیے سائنس کے بجائے فلسفہ کی عدالت کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔ فلسفہ دلکش کے دور اول میں دیمقراطیس نے جب پہلے پہل مادیت کی صدابند کی تو اس وقت تک کسی کو کہنا چاہیے کہ یہ دہم تک نہ تھا کہ خود مادہ کی حقیقت بحث طلب ہی ماں اس کے حاصل وجود سے انکار نہیں ہے۔ چند دن بعد فلاطون نے اس کی جرات کی، مگر کن بغاوت کا علم خود اس کے شاگرد ارسطو ہی نے بلند کر دیا۔ اور آنے والی نسلوں پر دہ اپنے استیلا و لستھے سے اس قدر چھاگیا کہ صدیوں تک دنیا کے فلسفہ کا وہ خداۓ غیر مسئول بن کر پتھار رہا۔ اس لیے اگر عمد قدیم اور قرون وسطی میں پرداں دیمقراطیس کی زبانوں سے یہ کلمات سخن گئے تو کوئی محل استیباب نہیں کہ "مادہ ساری کائنات کا حجم مادر ہے، تمام چیزیں صرف اسی کے نتائج ہیں"۔ لیکن اُمیویں صدی میں کسی ذمہ دار عالم فلسفہ و سائنس کا یہ کہہ گز نہیں کہ مادہ اور قوانین مادہ نے وجود روح اور عیدہ تکوین کو باطل کر دیا۔ موجب صدیcret ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں مادیت کی بناء دلکش در عینی، جدید تحقیقات و انکھافات نے اس کو مستحکم بلکہ اٹل بنادیا ہے۔ لیکن افعہ بالکل بر عکس ہی۔ جدید تحقیقات و انکھافات ہی نے مادیت کا قدم ہٹھی کے لیے اکھاڑ دیا ہے۔

( مادیت میں مگن تو آج سے دوسو برس پہلے ہی لگ چکا تھا، جب لاک نے صفات اڈلیہ اور ثانویہ کی تقسیم کر کے یہ ثابت کر دکھایا تھا، کہ زنگ، عزہ، بود غیرہ صفاتِ ثانویہ محض ذہن کے احساسات ہیں اور خابح میں ان کا یا ان کے محاصل کسی شے کا کوئی وجود نہیں۔ برکلے نے صفات اڈلیہ سکل (فیگ) دامتداد رکشن ) دغیرہ کوئی اسی حکم میں اصل کر دیا اور اس طرح چھت سے لے کر نیو تک ساری عمارت ہی ڈھادی۔

آدمی براہ راست جو کچھ جانتا ہے، وہ اپنے ہی احساسات ہوتے ہیں۔ اور ظاہری کہ کسی احساس کا وجود احساسات کرنے والے ذہن یا نفس سے باہر نہیں موجود ہوتا۔ تمہارے پاؤں میں کانٹا پچھ جاتا ہے، جس سے درد محسوس ہوتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ درد کی یہ خاص تکلفیت یا اس کے مثال کوئی چیز تم سے باہر کانٹے وغیرہ میں کہیں پائی جاتی ہے۔ کنین زن پر رکھتے ہی جس تنگی کے احساس سے تم منجھ بنا لیتے ہو، کیا یہ احساس یا کیفیت خود کنین میں پائی جاتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ انہن کی طرح کنین میں بھی حاسہ ذوق موجود ہے۔ عرض اسی طرح سامنہ دباصرہ، لامسہ دشامہ وغیرہ کے تمام محسوسات زندگ مردہ، بو، آواز، سردی گرمی، سُلُل، امداد، سب کی سب صرف احساس کرنے والی ذات کے اندر پائے جاتے ہیں، باہر کوئی وجود نہیں ہوتا، مثال کے لیے ایک آدم لو۔ اس میں سے بُنگ دبو، سُکل، دصورت، وزن، دفالغہ وغیرہ کے تمام احساسات نکال ڈالو، اور پھر تباہ کر کے تمہارے پاس کیا رہ جاتا ہے، جس کے براہ راست معلوم ہونے کا تم دعویٰ کر سکتے ہو؟ کچھ نہیں۔

ان احساسات ذہنیہ کو مادہ کہا نہیں جاسکتا۔ ان کے مادر اکی چیز کا علم نہیں ہے

پُر دہی گر پڑا کبوتر کا  
جس میں نامہ بندھا تھا دلکھا

اس بنابر بر سکلنے کی موجودی الخارج، قائم بالذات شے پیمانہ کا سرے سے انحرافی کر دیا ہم تو مبھی دلبی زبان سے بر سکلنے کا ہم آواز ہے۔ لینٹ نے البتہ دراہشکر یہ کہا کہ ہاں اس میں تو شک ہی نہیں کہ ہم جو کچھ جانتے ہیں، وہ اپنے ہی احساسات ہوئے ہیں، ان کے مادر اذات ہشیما کا علم نہوتا ہے، نہ ہو سکتا ہے، نہ ان احساسات کے مثال کوئی چیز ذہن سے باہر موجود ہوتی ہے۔ لیکن ایک ایسی نامعلوم شے کوئی ہے وہ ملکہ

لکھ رزید تفصیلات درفعہ شکر کے لیے "بُنگا" (مطبوعہ شبی اکاڈمی ایفی کلر) دیکھو۔  
لکھ رزید یا ساختہ۔

جو ان احساسات نفسی کی علت ہے۔ وہ خارج از ذہن پائی جاتی ہے، اور یہی مادہ ہے۔

(کینٹ کی اس انجانی کوئی چیز (Some) کا فرض چونکہ کسی مضبوط استدلال پر مبنی نہ تھا اس لیے فلسفہ اور ما بعد الطبعیات کی دنیا میں تو اس کو بہت زیاد فروع نہ نصیب ہو سکا۔ خود کینٹ کی زندگی اور اُس کے دلطن ہی (حرمنی) میں بعد کو جو موڈل سفہ و مثالیں (Mistaffaz لشیز) گزرے، یعنی سفحت، شینگ، ہیگل دغیرہ وہ سب کی سب آئندہ میٹ (تصوریہ) یا منکریں مادہ تھے۔)

لیکن اہل سامن، جن کی کائنات ہی عالم جمادات ہے، وہ اس سر رشتہ کو بالکل کیسے چھوڑ سکتے تھے اُن کو "انجانی کوئی چیز" کا کچھ دھاگا گاہی غنیمت معلوم ہوا، جس کو آخری سہارا سمجھ کر انہوں نے مضبوط پکڑ دی۔ اور اب کینٹ کے بعد سے تقریباً تمام حکما کا یہی مذہب ہے کہ ذہن کے باہر کچھ نہ کچھ ہے تو صرور، مگر ہم اُس کے متعلق نام سے زیادہ کچھ نہیں جانتے ہیں۔ خود مکملے جو ایک حلیل القدر امام سامن ہے اور جس کی زبان سے سخن لگی تھا کہ "مادہ اور قوامیں مادہ نے روح و خلق کو باطل کر دیا،" اُس کا اعتراض سنو۔

"آخر کارہم اس ہدایت ناگ" "مادہ" کی نسبت اس سے زیادہ کیا جانتے ہیں کہ وہ ہماری کیفیات شور کی ایک انجانی اور فرضی علت کا نام ہے؟ . . . .

. . . اسی طرح ہم اُس روح کی نسبت بھی جس کے بارہ میں تددید ہے کہ مادہ

نے اس کو فنا کر دیا ہے اس سے زیادہ کیا جانتے ہیں، کہ وہ بھی ہمارے احوال

و کوائف شور کی نامعلوم و فرضی علت کا ایک نام ہے؟ دوسرے الفاظ

میں یوں کہو کہ مادہ اور روح دونوں حوادث طبی (نجیل فتنا منا)

لہ "ماہیت مادہ" کی مفصل بحث کے لیے "معاذ" دسمبر ۱۹۴۷ء میں دیکھنا چاہیے۔

کے محفوظ نام ہیں ॥

آنہی نہیں بلکہ حقیقت مادہ کا ٹلسٹ ٹوٹ جانے کے بعد اب سائنس کو انتساب مادیت سے عارف آنے لگی ہے اور آج کل سائنس اس سے زیادہ کسی بات کو نظر و تعریف کی سماں ہے نہیں دیکھتی کہ اُس کی جانب مادیت کا انتساب ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی بہر حال اُسی طرح کا ایک فلسفیانہ ادعا در ڈالگا ہے جس طرح کا تصور ہے۔ مادیت مدعی ہے آغاز کا ناتا سے پڑنے کی، جو سائنس کے بس سے باہر ہے اور مذہب کی بناء "آغاز و انجام کائنات" ہے کے مبنے پر ہے جب سائنس کے ناخن سے یہ گرد نہیں محمل کرتی، تو اس کو مادیت کا حلیف اور مذہب کا حریف سمجھنے یا کرنے کی جوابات ہی طاہر ہے ।

تمی خبر گرم کہ غالب کے اڑینے کے پر زندگی  
دیکھنے ہم بھی کئے تھے پہ تماشانہ ہوا

عرض اٹھار صویں صدی کے اوپر سے، جب سے عقل سائنس کو اپنی پرواہ کا سدرہ المنشی معلوم ہو گیا، اس سے آگے نہ رسانی پوری طرح متحققاً ہو گئی، اور جمل مركب کا پڑھ آنکھوں پر سے اٹھ چکا ہے۔ اُسی وقت سے اہل سائنس کا فلسفیانہ مسلک، مادیت نہیں بلکہ وہ لا ادریت ہے جو "ما بعد الطبیعت" کے مذاہب اربعہ کا آخری نمبر ہے جس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ وہ نہ مذہب کی دوست ہے نہ دشمن۔

لا ادریت کا خلاصہ اعترافِ علمی ہے، یہ اسکوں بھی اگرچہ فلسفہ کے دوسرے اسکو لوں کی طرح زمانہ قدیم میں پیدا ہو چکا تھا، اور شکیک یا ارتباہیت (سپیٹنر) کے نام سے پکارا جاتا ہے، مگر پرانے زمانے میں اس کا مفہوم اس قدر مطلق و دیسیع تھا کہ خود شک میں بھی شک کیا جاتا تھا۔ عصرِ حجدیہ میں اس کو ہیلوم نے زندہ کیا اور

لئے "خدماتِ دین" میں "بکتے صفحہ ۵۔ آرپی سیرز۔

لئے "نہت و لا ادریت" "ر۔ نچرلز م اینڈ آئٹ ملیزم۔ ۱ جزا۔ صفحہ ۱۰۔

کہنیٹ نے تو اس کی بنیاد کو اس قدر مستحکم نبادیا، کہ فلسفہ کیا عملاءے سامن کو بھی سرتاسری کی مجال نہ رہی لیکن اب مفہوم کی وہ پرانی دسعت اور اطلاق نہیں باقی ہے۔ بلکہ داعفات و حادث و نامنا ( )، طواہر اشیاء ( ) اپرنر ( ) اور سل طبیعہ کو عالم شک و لعلی سے بخال لیا گیا ہے۔ البتہ ذوات داعیان ( نامنا ) حقائق اشیاء ( ریلیٹریز ) اور ما بعد الطبعاتی مسائل کے دروازوں کو انسانی عقل و علم کے یہے ہمیشہ کے واسطے متفصل سمجھ لیا گیا ہے۔

لا ادراست د اگن سٹرم ( ) کے لقب کا موجہ مکتے ہے، اس یہے خود اسی کی زبان سے سنو کہ روح، خدا وغیرہ ایسا تی مسائل کی نسبت ایک لا ادراستی کی کجا پورشیں ہی۔ چارلس کنگ سلے کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ " میں انسان (روح) کے غیر فانی ہونے کا نہ مدعی ہوں نہ منکر۔ میرے پاس اس کے یقین کے یہے کوئی دلیل نہیں۔ لیکن ماتھ ہی وہ سری طرف اس کی ابعوال کا بھی میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں "۔

ایک اور موقع پر " اصول و نتائج " ( میسٹھڈس انڈر زرلش ) لکھتا ہے، کہ " وجود کی ملت اولی کا مسئلہ میرے تحریر توی کی دست رس سے باہر ہے۔ جتنی لامعنی ہر زہ سروائیوں کے پڑھنے کا موقع بھکوملا ہے اُن میں سب سے بدتر ان فلسفہ کے دلائل ہوتے ہیں، جو خدا کی حقیقت کے بارے میں موشکافی کرتے ہیں۔ مگر ان فلسفہ کے محدثات ان سے بھی بڑھ جاتے ہیں، جو نہ مانت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی صد ایسیں "۔

ایک اور جگہ کہتا ہے، کہ " چاہے حادث و داعفات مادہ کو روح کی اصطلاحات میں بیان کرو اور چاہے حادث روح کو مادہ کی اصطلاحات سے تعبیر کرو، یہ بجاے خود کوئی

اہمیت نہیں رکھتا، ہاں آتا ہے، کہ سُنْس کے لیے مادیانہ اصطلاح تعبیر زیادہ

موزو دل اور قابل ترجیح ہے۔<sup>۱۰</sup>

بعض غلط فہمیوں سے بچنے کے لئے لا اور سیت کی حقیقت و مدعای کی ذرا اور تو ضيق ضروری ہے۔ علمات سُنْس کے اس فلسفیانہ مذک کا ناشا صرف اس قدر ہے، کہ ہماری سائنس فلسفہ کے تحقیقات و عقلي استدلالات کا گزوں اوقاعات و طواہ رہا شاید سے آگے نہیں۔ یعنی جس فرم کے استقراء اور تجربات، دعقلی دلائل و قیاسات سے ہم علوم طبیعیہ کے مسائل کو قطعی طور پر ثابت کر سکتے ہیں اور طرح طرح کے انکشافات تک پہنچ سکتے ہیں ان کے وسیلے سے حقائق اثیاں ادا مانع بعد الطبیعت کے مسائل کو ثابت یا باطل نہیں کیا جاسکتا ہے، نہ ان رموز کو بے نفتاب کیا جاسکتا ہے۔

لیکن اس سے یہ تتجز نہ خلتا ہے، اور نہ خانل چاہئے کہ جو شے انسان کی عقل و فہم سے خارج ہے وہ اس کی زندگی سے بھی خارج ہے یا انسان فقط اپنی حی پیڑوں کو مانتا اور قبول کرتا ہے، جو سائنس فلسفہ دلائل سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس لیے کہ عقل و ذات کے معنی انسان کی عملی زندگی کا اکثر ملکہ کل حصہ اسی ہی ناد اینیوں کا پروگرام ہے جن میں سے کسی ایک کو بھی عقل و حکمت سے ثابت نہیں کر سکتا ہے۔ آدمی سمجھتا ہے کہ وہ ہر قدم عقل کی روشنی میں آمدنا تا ہے، حالانکہ اس کا سارا سفر زندگی جذبات و مرعوبات کی تاریکی میں طے ہوتا ہے۔

اس کے سارے اعمال زندگی کا محور زندگی اور عرش و آرام کی زندگی ہے۔ اس کا ایک فعل بھی نیک نامی، شہرت و عزت کے جذبات و نفس کی لذت طلبیوں سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن کسی کوئی شخص دعوی کر سکتا ہے کہ ان جذبات کی حقیقت و صداقت کو عقل نظری اور سُنْس سے ثابت کیا جاسکتا ہے، آدمی جیسے کے لیے مرتا ہے، مگر کیا وہ اپنی زندگی کی ضرورت کو کسی سائنس فلسفہ دلیل سے ثابت کر سکتا ہے۔ صح سے شام تک وہ ہزار چیزوں کو مرا جلا کتا ہے لیکن کیا ان میں سے وہ ایک کی بُرا ای جملائی کو بھی خالص عقلی نقطہ نظر سے متعین کر سکتا ہے۔ ملنا اغلف

آج تک خیر و شر کا حیمتی میوارنہ تباہ کے مگر انسان کی زندگی سے اگر یہ امیاز بخال ریا جائے تو دفعتہ ساری تھیں بے حرکت ہو کر رہ جائے۔ انسان کو خود مختار اور صاحب ارادہ کو نہ ثابت کر سکتا ہو بلکہ لفیات و افعال ادا عضو سے اس کا مجبور محسن اور قطعاً بے بس ہونا ثابت ہوتا ہے مگر باو کہ تم صحیح سے شام تک کتنے سکنڈ اپنے کو بے اختیار رو بے ارادہ سمجھتے ہو۔ کیا اگر ان خود مختاری کے اس غیر منطقی اعتقاد کو ذہن سے بخال دے کے، تو پھر ہمی عمل کے ہاتھ پاؤں میں کچھ جنتش باقی رہ جائے گی؟ کیا اول دن کے موت پر والدین کے غم و ماتم کو کوئی شخص خلاف عقل کہہ کر روک سکتا ہو؟ جب تک ثواب آخرت یا صبر و تحمل کے خراج تھیں کا کوئی اور پرو

خذبہ موجود نہ ہو۔

( غرض انسان استدلالات نہیں، اعتقادات اور عقليات جذبات کا بندہ ہو اور مذہب کی بنا اعتقادات و جذبات ہی پر ہی۔ اس لیے جب تک امید و یم، محبت و نفرت، یاس و بے بسی، انعام و انعام، حترام و تعظیم، حرمت و استعجاب، اور جمال پرستی و غیرہ کے جذبات انسان کے خمیریں داخل ہیں، اُس وقت تک مذہب بھی انسانی وجود کا جز ہے۔ صورت میں بل سکتی ہیں۔ لیکن اس کی بڑی کوئی قوت دل سے اکھاڑ کر نہیں چھینیک سکتی۔ بقول پروفیسر منڈل کے کہ ”میرا دعویٰ ہے کہ کوئی محدود اس استدلال انسان کے دل سے مذہب کو خارج نہیں کر سکتی۔ منطق ہم کو زندگی سے محروم نہیں کر سکتی اور مذہب اُہ مذہب کی زندگی ہے۔“ مذہب انسان کے ذاتی یا وجدانی تجربہ کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں منطق کا گزر رہیں۔ ”خذبہ مذہب کی جگہ انسان کے سویداً قلب میں ہے، اور آغاز تا ریخت کے قرنوں پہلے سے تمام مذاہب عالم کا خمیر ہے۔ تم نے جو اس مذہب سے بھاگ کر عقل کی بلند وحشک روشنی میں پاہلی ہے، اور اس کی سہنی اڑاٹتے ہو تو یاد رہے کہ ایسا کرنے سے تم صرف اعراض اور ظاہری صورتوں کو ہدف بن سکتے ہو، لیکن احساس مذہب کے اس غیرتہ لازل اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

جس کی جگہ فطرت انسانی کی گئی میں ہے۔)

زمین اور پھاڑوں کو کھو دکر طبعتات کا رض کے اسرار جانے جاسکتے ہیں، سمندر و کی سطح پر جہاز اور آبد و زی کشیاں چلائی جاسکتی ہیں، لیکن کیا اس سے اُس عملت و بیت کے احساس میں فرق آ سکتا ہے؟ ہمیں کی ہزار ہفت بلند چوٹیوں کے نیچے کھڑے ہونے سے، اور جہاز کی حجت پر کھٹے ہو کر ناپیدا کنے سمندر پر نظر دوڑانے سے پیدا ہوتا ہے؟ کیا علم حوانات و نباتات پڑھ لینے سے، جمال فطرت کی پستش کا وہ ذوق فاہوجا ہے، جو عالم بار میں نظر کو ایک ایک پھول پتی سے حائل ہوتا ہے اور جو گول کی گوک اور بیل کی نعمت سریں سے سامنہ نوازی کرتا ہے؟ شاعر و مصوّر پر تو یہ پرکیتِ موسمِ رقص طاری کر دیتا ہے۔ ایک فتن طب کا ماہر اپنے زمانے کا سب سے مشہور معلم، جس کے ہاتھ سے ہزاروں مردیں شفعت پا پکھے ہیں، وہ ایک معمولی درد سے اپنی اکلوتی، ہونہا رجوان اولاد کو نہیں بجا سکتا، اور اپنی آنکھوں سے اس کے دم توڑنے کا تاشاہ دیکھنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف ایک فاقہ کش کا بچہ ذوق میں مبتلا ہوتا ہے، دا علاج تفریح و آرام کا کوئی سامان نہیں مگر پھر ہی اچھا ہوجاتا ہے کیا ان روزمرہ کے واقعات سے آدمی پرانی بے بسی و بیمارگی اور انہیں غفل و تبرکی ناکامی کا اثر نہیں پڑتا؟ ایک صاحب علم و انسناد اور نیکوکار کی ساری زندگی مایوسیوں اور ناکامیوں میں گزرتی ہے، سونے کو ہاتھ لگاتا ہے، تو مٹی ہوجاتا ہے، ہر تدریس اُٹھی پڑتی ہے بخلاف اس کے اپنے پڑوسن ہی میں ایک اجمیع، جاہل و بدکار کو دیکھتا ہے، تکہ دولت و خوشحالی اس کی غلام ہیں اور کامیابیاں ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہیں۔ کیا اس عالم یا اس میں اس کو ایک اور زندگی اور عالمِ حسرہ و سرزا سے دھارس اور تکین نہیں حاصل ہوتی؟

غرض ہر ادنی دا عالی کو اپنی روزانہ زندگی میں ایسے تجربات و حالات سے دوچاہو ناپڑتا ہے، جو بلا منطقی استدلال و سائنس کی تجھیعات کے کسی نہ کسی صورت میں اس اعقر

واعتقاد پر بے لبس کر دیتے ہیں، کہ انسانی ہاتھوں کے اور پر جی کوئی اور ہاتھ (بِ يَدِ اللَّهِ) فرق آگینہ ہیم۔ اور اس عالم شہود کے پرده میں کوئی نہ کوئی عالم غیب ہے۔ یہ ہی اعتقاد و ایمان بالغیب مذہب کی جان ہے۔

خود اہل سائنس اور مادہ پرست ملاحدہ جو اپنے زعم میں عقل کی فضائے خشک و بند میں پرواز کرتے ہیں، کیا اس ایمان بالغیب پر مضر نہیں ہے؟ کیا کوئی سائنسیت یا مادی قوت، انرجی، نیچر، قانون فطرت، مادہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کیئے بغیر اکی قدم بھی جل سکتا ہے؟ لیکن کیا کوئی پرستار عقل تباہ کر سکتا ہے کہ مادہ، قوت یا نیچر کیا ہے، ان کی کیا حقیقت ہے؟ سو اس کے اکے معلوم واقعات و نظواہ کی نامعلوم علت کے لیے چند مختلف تعبیری الفاظ وضع کر لئے گئے ہیں، جن کی حقیقت معنوی کی تشریح سے ایک حکیم اسی طرح عاجز ہے، جس طرح ایک اہل مذہب خدا کی تحدید و توصیف سے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر اکی نامعلوم الحقیقت علت کائنات پر غیبی ہی اعتقاد و ایمان رکھتے ہیں۔

مثال کے لیے ایک قانون فطرت (لاؤن نیچر) کو لو جو آج کل سائنس اور اس طرح میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ گویا واقعات عالم اور حادث کائنات کی انتہائی علت اور اصل کہ کوہم نے پایا۔ حالانکہ تجربہ واقعات و حادث سے ہمارا علم ایک ایسی بھی آگے نہیں جاتا۔ اور "قانون فطرت" کے دلقطی مرکب کا مفہوم اس سے زیادہ پچھلی نہیں، کہ ایک ہی قسم کے مختلف تجربات، و مشاهدات کا وہ ایک مجموعی یا کلی نام ہوتا ہے، اور اس جس طرح زید، عمر، بگروغیرہ ایک ہی قسم کے افراد کا کلی نام انسان ہے۔ قانون فطرت ہم کو یہ مطلق نہیں تباہ کرے، بلکہ واقعہ کیوں واقع ہوا یا اس کو لازماً اسی طرح واقع ہونا چاہیے۔ لزوم و وجوب کی را زاب بھی دیا ہی سرہبر رہتا ہے، جبکہ کسی قانون فطرت کی دریافت سے پسلے تھا۔ بھی اس کی مزید تشریح کی بجائے، خود ایک نامور سائنسیت کا بیان میں کے دیتے ہیں:-

"وہ ڈراؤن لزوم و وجوب اور آہنی" قانون کیا ہے، جس نے لوگوں کو اس قدر غالط

او ر دہشت زدہ کر کھا ہی؟ تج پوچھو تو یہ ہمارے ہی داہمہ کا گڑھا ہوا مخفی ایک  
بُوت ہی میرے خال میں اگر کوئی "آہنی" قانون ہو سکتا ہی تو وہ قانون کشش ہیز  
اور اگر طبعی لزوم وجوب کوئی چیز رہی تو وہ یہی ہی کہ جس پھر کے لئے کوئی روک  
اور فراہم نہ ہو اور زمین پر گر پڑے گا۔ لیکن اس واقعہ کی انتہت جو کچھ ہم جانتے  
ہیں یا جان سکتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہی؟ صرف آئی ہی کہ انسانی بحربہ بہشیہ  
یہ رہا ہی کہ اس خاص حالت میں، یعنی جب کوئی سہارا نہ ہو، تو پھر زمین پر گر پڑا  
ہی، اور ہمارے پاس اس لقین کی کوئی وجہ نہیں ہی، کہ ایسی حالت میں کوئی پھر زمین  
پر نہ گر پڑے گا، بلکہ بخلاف اس کے ہم معقول طور پر لقین کر سکتے ہیں، کہ یہ گر ہی  
پڑے گا۔ البتہ یہ ظاہر کرنے کے لئے، کہ صورت مذکورہ میں لقین کے تمام شرائط موجود  
ہیں، اس بیان کا کہ بے سہارے کا پھر زمین پر گر پڑے گا، قانون فطرت نام کے دن  
نهاست مناسب و بر محل ہی، لیکن جب "گا" کو ہم "چاہیے" (یعنی گر پڑے گا کی  
جگہ پر یہ کہنا، کہ ضرور بالضرور گر پڑنا ہی چاہیے) سے بدل دیتے ہیں، جیسا کہ علی یونہم  
کیا جاتا ہی، تو ہم لزوم وجوب کی ایک ایسی زائدشی کا اضافہ کر دیتے ہیں، جس کا  
نہ تو مشاہدہ و اتفاقات میں نشان ملتا ہی، اور نہ کہیں اور سے پہل سکتا ہی، جہاں  
تک میری ذات کا تعلق ہی، میں ایسے زبردستی کے داخل در معقولات دینے والوں  
سے، اقطعاً اپنی بیزاری اور تبری ظاہر کرتا ہوں۔ مثیک میں واقعہ جانتا  
ہوں اور اس قانون کا علم رکھتا ہوں مگر یہ لزوم خود پانے ہی ذہن کے  
گڑھ سے ہوئے، غول بیابانی کے سوا اور کیا ہی؟"

غرض جس طرح ابل مذہب و اتفاقات و حادث کائنات کی ایک معلوم الاسم و نامعلوم اللہ تعالیٰ  
آخری علت رخدا، پر ایمان رکھتے ہیں جس میں حیون و حشرات کی گنجائش نہیں، اُسی طرح مشرکین میں  
لہ سمنون "فَنَبَلَ مِسْأَفَ لِلْأَنْفَ" از ہے۔

بھی امر جی، خیپر، لا آت پنجر،“ وغیرہ میں یوں دیوتاؤں کے سامنے خمیدہ سرہیں، جن کی  
نسبت چون خیپر اکا جواب نہیں دے سکتے۔

کا ادھری تک جوز بان سے کہتے ہیں کہ ہم کو حادث محسوس یا نطاہر اشنا  
کے ماوراء چیزوں سے نیما د ابنا مگوئی سرد کار نہیں، کیا ان کی خود اس تبری  
میں ایمان و حقائق کا اعتراف، راز آشکارا کی طرح نمایاں نہیں ہی؟ بقول اپنے  
کے کہ ”یہ تصور کرنا ہی سرے سے ناممکن ہی، کہ ہمارا علم صرف نطاہر  
(تک محدود ہی، بے اس کے کہ ان نطاہر کے پس پر وہ کوئی حقیقت

”کائنات کے ان محکم طواہر کی تھیں جو قائم الذات اور متعین الرضا  
ہستی نہیں ہی، وہ اتنا نی علم و تجھیل سے مافق ایک نامعلوم ذرا ممکن العلم وقت ہی جس  
کی نسبت ہم اس اعتراف پر بے تسلیں ہیں، کہ وہ زمان و مکان کے قیود سے بزرگ ہے۔  
اپنے سر کے اس قول کو نقل کر کے سیموں لینگ لکھتا ہی کہ:-

”یہ بلند تریں فلسفہ لا اور یت ہے۔ دمکھو کہ یہ الحاد سے ایک بالکل ہی جب داگان  
شے ہے، کیونکہ یہ علا نیہ ایک پس پردہ قوت کی معرفت ہے، جو اگرچہ ”نا معلوم و ناممکن  
العلم“ ہے، پھر بھی اُن ہی جذبات و احساسات کی صدائے بازگشت ہے جو تمام مذاہب  
کا سر حشیمه ہے۔

”مشالاً ادراست میں کوئی ایسی شے نہیں ہی، جس کی بنا پر حیاتِ مستقبل کے  
امکان سے انخوار کیا جاسکے۔ پر دہ کے پچھے کون جانتا ہی، کہ کیا ہوتا ہی اور کون کہ  
سکتا ہی کہ آدمی کا حس و شعور موت کے بعد نہیں باقی رہتا، یا اُس کا حشر و زیر نہیں  
ہو سکتا، اور ہماری آئیندہ حالت موجودہ اعمال کے مطابق بہتر و بدتر نہیں ہو سکتی۔

معلوم ہوا، کہ غلطہ کا وہ اسکوں بھی جو آج کل کی دنیا کے سائنس میں سب سے زیادہ مقبول ہی، حریفِ مذہب تو کسی طرح بن ہی نہیں سکتا اور اگرچہ لا ادراست کی زبان نہیں اثبات رہو قبول اور اقرار و انجار و دنوں سے ساکت ہی تاہم تم نے دیکھ لیا کہ شیخوں کے چشم دا برو سے اقرار نہیں پکا پڑتا ہی۔ ع

پرشش ہی اور پائیے سخن درمیان نہیں

( بلکہ لا ادراست کے مخترع اول مسئلے کو اتنا تو اعتراف ہی کرتے بن آیا، کہ لا اددا مادہ پرست کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہتا ہی کہ "اگر محمدؐ کو خالص مادیت و خالص دحیت میں سے کسی ایک کو اختیار ہی کرنا پڑے، تو میں رو دحیت ہی کے قبول پر مجبور ہوں گا" )

لیکن ان باتوں سے اس غلط فہمی میں ہرگز نہ پڑنا چاہیئے، کہ مذہب عقل سے ثابت ہو گیا یا ہو سکتا ہی۔ عقل جس طرح مذہب کے بطال سے بنے بیس ہی، اُسی طرح اس کے اثبات سے بھی۔ اور یہ مذہب کے لیے کوئی ننگ نہیں، بلکہ اس کے استحکام و مزید کی عین دلیل ہے عقل ان فتن کے تفاوت و اختلاف کا یہ عالم ہی کہ دنیا میں کوئی موٹی سے موٹی بات بھی الی ہیں ہی کہ جس پر تمام عقول و آراء کا آتفاق جسمانی ہو سکے۔

حرکت سے زیادہ کون سی چیز بدی ہی الوجود ہی۔ میں اس وقت جو کچھ لکھ رہا ہوں، وہ جدیش قلم کے بغیر ناممکن ہی۔ پھر ہمیں ایک تھیم ( زینو ) کی عقل کھتی ہی کہ نہیں یہ فریب محسن ہی۔ اتنا ہی نہیں کہ حرکت ناموجود ہی، بلکہ ناممکن الوجود ہی۔ اور اس پر ایسے دلائل قائم کرتا ہی کہ جواب نہیں بن پڑتا۔ کون شک کر سکتا ہوا، کہ سمندر، پہاڑ، آفتاب و ماہتاب، موجودات خارجی نہیں ہیں، لیکن پر کلے نے تقارہ کی چوٹ پر کہہ دیا، کہ ذہن سے باہر سرے بے کسی چیز کا

بھی وجود نہیں، اور اس کو کوئی چُب نہ کر سکا۔ کون نہیں جانتا، کہ تناقض محال ہے، مگر ہمارے زمانہ کا ہی ایک مشہور ترین فلسفی (تسلیل) مدعی ہے، کہ تناقض نہ صرف ممکن ہے، بلکہ متحقق ہے وجود کائنات تناقض ہی پر بنی ہے۔ عام دنیا مانی ہے کہ رشتہ علت و معلول اٹل ہے۔ افتاب نکلنے سے گرمی ہی پیدا ہونا چاہیے، لیکن ہموم کے اصول سے یہ باکھل ممکن ہے کہ کل جو فتاب نکلے وہ برف بر سانے لگے۔ وزن ہمیشہ مادہ کی تعریف بلکہ حقیقت ہیں داخل رہا، مگر اب ایک اور شے شاغل المکان اپنے سائنس کو ماننا پڑی، جو ناقابلِ وزن ہے۔ یعنی ایک جس کی نسبت یہ بھی نہیں معلوم کہ مادہ ہے یا کچھ اور۔

(غرض عقل کو خود اپنی گرد کی عقل نہیں، وہ ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے۔ ایک ہی زمانہ کے مختلف افراد میں شدید اختلاف ہوتا ہے۔ ایک ہی شخص مختلف حالات و اوقایات میں مختلف الرائے ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر یہ اس قدر ناپاؤدا رہتے تو زل اور متنقض معابر پر اُترنے کا مدعی ہے، تو وہ خود کوئی پاؤدار ثابت حقیقت نہیں ہٹھرتا۔ قدیم حکماء افلک کے قائل تھے، تو قرآن میں بھی وہی افلک آگئے۔ اب وہ حد نظر ثابت ہو کے تو سیارات کو "سَبِّعُ السَّمَاوَات" بنادیا گی۔ آگے چل کر اگر یہ سیارات اور ستائے تاری نظر کے آخری نقطہ ثابت ہوئے، تو قرآن کی آواز بھی ہم آہنگ بجا یاں گی۔ قرآن پڑھ کر ارتقا کا چیال بھی مشکل سے گزرتا تھا، وہ آردون کے بعد سے تو قرآن پیالوچی کی کتاب بن گئی ہے۔ ہمارے انشا پرواز دوست حضرت مہدیؑ نے کیا خوب کہا کہ "یہ کچھ اپرے سے یا کچھ استرے سے اور برابر برابر گردیا ہے"۔)

سوچو کہ کیا اس طرح کی تطبیقات یا برابر سرا بر کر دینے سے مذہب بچوں کا کھلنا ہمیں بن گیا؟ حکما، و فلاسفہ کی دشمنی سے مذہب کو آنا فقصان نہیں پہنچا۔ مذہب کے اصلی دہش اس کے نادان دوست (مسئلین)، ہیں۔ میں بل خوف لومہ لام کہنا چاہتا ہوں کہ علم کلام کا بڑا حصہ قطعاً سوخت کر دینے کے لائق ہی یا زیادہ سے زیادہ زیاد کی

کی یادگار کے طور پر کسی عجائب خانہ میں مجتمع کر دیا جائے کا مستحق ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ اپنا وقت و دماغ اس زیاد کاری میں شاید مسلمانوں ہی نے رائیگاں کی ہیں اور انہوں نے ہی کہ ہندوستان جدید میں سر سید نے اپنی وجہ الاعتراف خدمات کے ساتھ ساتھ اس فتنہ کو بھی جگا دیا۔ آستاد مرحوم (علام شبلی) نے بھی اسی آواز میں آواز ملادی۔ اور اب توجہ دیدم و قدیم تسلیم کے بہتیرے اجابت علم و مذہب دونوں کی خدمت کا اہم المقاصد اسی کو جاننے لگئے ہیں۔ کاش اردو زبان کو اس تریاق نام زہر سے زیادہ مسموم نہ کیا جاتا!

(مذہب کے دو جزو ہیں (الف) عقاید اور (ب) اعمال )

(الف) خدا، بر وح، حشر و نشر و غیرہ عقائد میں داخل ہیں۔ عقل ان فوق الغطرت چیزوں کا نہ اثبات کر سکتی ہی، نہ ابطال، اور نہ اُس کو ان کے تسلیم و انکار کا فتویٰ صاد کرنے کا منصب حاصل ہی۔ ان کا دار مدار تمام ترا عقائد یا ایمان پر ہی جوانان کے مختلف فطری احساسات و جذبات سے پیدا ہوتا ہی۔ اس لیئے، جب تک حیرت و استعجاب، ایڈ بیم، انعام و انتقام، مایوسی و بے چارگی، ہمیت و جمال پرستی وغیرہ کے احساسات انسان کی فطرت ہیں، اس وقت تک مذہب بھی اس کی فطرت ہی۔ یا یوں کہو کہ جب تک انسان انسان ہی مذہب سے گزر یا پائی کا کوئی راستہ نہیں۔ تم، شاخوں کو ہمیشہ چھانٹنے تر ہو لکن جب تک جڑ قائم ہی وہ بھی ہمیشہ نئے برگ و بار لاتی رہے گی۔ غرض جہاں تک اصول مدد کا تعلق ہی، وہ ایسی بنیاد پر قائم ہیں جو عقل سے کمیں زیادہ استوار و محکم ہی۔ اہل مذہب کی دانائی و فلاح اسی میں ہی کہ ان کی تعمیر کی ایک اینٹ بھی اس بنیاد سے بہکنے نہ پاوے۔ )

یہی بھیدی کہ مذہبی کتابوں میں، جن کے الہامی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہی، منطق کے اسکال و قیاسات اور فلسفیات طریز استدلال کا مثال ہی سے کمیں نشان

ہے۔ تمام تر ان ہی احساسات و خذبات کو مخاطب کیا جاتا ہی، جن سے اعتقاد دایاں کی گفتگو  
پیدا یاتا زہ ہوتی ہی۔ بلکہ الیات، میسٹافر کس، کے مثال میں عقلی خوض و فکر سے  
جایجا اجتناب کی تاکید ہوتی رہتی ہی۔ مسلمان، جو عقائد میں بال کی کھال بخال لئے کے سب سے  
زیادہ شیدائی رہے ہیں، ان کو انجینیکس کھول کر دیکھتا چاہیے کہ خود قرآن نے گیاراہ  
اختیار کی ہی۔

قرآن خدا کی ہستی کا اعتقاد پیدا کرنے کے لیے زمین و آسمان کے ان عظیم عجائب  
پر توجہ دلاتا ہی، جن سے نصرت انسانی عقل حیران و شش در رہ جاتی ہی۔ بلکہ انسانی ارادہ  
و اختیار سے قطعاً باہر ہوتے ہیں۔ دن رات کامیکے بعد دیگرے پیدا ہوتے رہنا، اقتضای  
و ماہتاب کی بندھی ہولی اور سحر خدمت گزاریاں ہواؤں اور بادلوں کی تصرفی نفس  
یار وح کے نہ سمجھو میں آنے والے افعال:-

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لِلَّهِ  
وَالْهَمَادِ... وَلَعَلَّهُ يُفْتَحُ الرَّبَّاحُ  
وَالسَّعَى بِالْمَسْجَرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ  
كَلَّا يَأْتِ لِقَوْمٍ لَعْقَلُوْنَ  
يُوْلِحُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِحُ النَّهَارَ  
فِي الَّلَّيْلِ وَسَحْرُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرِ كُلُّ  
يَمْحَى لَأَجَلٍ مَسْمَى ذَلِكُمُ الْمَلَكُ الْمُلْكُ

اڑے وہی تو تمہاراحدا ہر صاحب الملک ہی، جو  
رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا  
ہی اور آفتاب و ماہتاب کو سحر کر رکھا ہی۔

وَنِّيْنِ الْفَسْكُمْ أَفَلَّا تَبْصِرُونَ  
أَنَّهُمْ يَمْحُى لَأَجَلٍ مَسْمَى ذَلِكُمُ الْمَلَكُ الْمُلْكُ

ان ہی چیزوں کو دیکھ کر آدمی بے ساختہ پکارا اٹھا ہی کہ ”ربتا مخالفت ہڈا  
با طلا“، لیکن ہمارے متكلیمین کی خوش فہمی دیکھو کہ وہ ان ایات کی تفسیر میں شرح چشمی  
لکھ دیتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان سے علم ہیئت کی تعلیم مقصود ہی یا کل ایسا ہی ہی

بے آج کل کوئی یہ کہنے لگے، کہ ”وَفِي الْفَسْكِمَا فَلَمْ يَصِفْنَ“ سے علم التفسی کی تھیں کا حکم ہے۔ قرآن یا نہ سب ان علوم کی تعلیم و تعلم کا مخالف نہیں ہے، لیکن اس کا کام ان کی تائید و حمایت بھی نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف ان پڑوں کی عظمت و حیرت انگیزی سے ایک اجمالی اعتقاد یا ایمان پیدا کرنا ہوتا ہے اور اس۔

اسی طرح اگلوں کے قصتے بیان کرنے کی عرض محفوظ عبرت پذیری کے احسن کو  
اچھا رہا ہوتا ہی۔ مشہور اقوام اور بڑے بڑے فراعنة ارض کی ہلاکت دبر بادی کی داستی  
بار بار اس لیے دُھرائی جاتی ہیں کہ غافل ان ان کو دنیا کی ناپائداری، اپنی بے شباتی،  
اور بے بسی کایقین پیدا ہوا آئندہ زندگی کی فکر اور نیکوکاری کا خیال ہو۔ تاریخ کی  
تحقیق مدعا نہیں ہوتی۔

اَفْلَمْ يُسِرُ وَ فِي الْأَرْضِ فَيُنَظِّرُ وَ كَيْفَ  
كَانَ عَاقِبَةُ الدِّينِ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَدُاد  
الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آتَوْا وَ لَا تَعْقُلُونَ  
کیا زمین میں وہ نہیں پھرے، کہ دیکھتے اگلوں کا یہ خیر  
اور کچھ شک نہیں کہ آخرت کی بہتری پر ہمگا وہ ہی کیسے ہی  
کیا محاری سمجھو ہی اتنی بات نہیں اتنی

اَنَّهُ يَدْعُ الْخَلْقَ تَسْرِيْدًا لِجَزِيْرَى  
الَّذِينَ امْنَوْا وَعَمَلُوا الصَّلَحَاتِ بِالْفَسْطِيلِ  
دَالِّذِينَ كَفَرُوا هُمْ شَرَابٌ مِنْ جَهَنَّمِ  
وَعَذَابُ الْيَمَنِ عَمَّا فَعَلُوا يَكْفُرُونَ ط  
غَصْنُ الْيَسَاتِيْ اسْتِدَلَالُ مِسْنَا فَرِيْحَى لِرِيزْ نَنْگُ  
اوْرَعْنَلْنَهْرِيْ اَكْبَرْ طَبَّ كَارُوْسَ سَخْنُ زَيَادَهْ تَرْجِيْمَاتِ اوْرَعْنَلْنَهْرِيْ اَكْبَرْ طَبَّ

ہوتا ہے۔

بلکہ قرآن نے تو صراحت و کنایت طرح طرح سے مذہبی عقائد کو فلسفیانہ استدلالات کا محلہ بنانا نے سے روکا ہے، اور الہیات یا انظری خوض و فکر سے اجتناب کی تعلیم کی ہے۔

جب تو دیکھے، کہ لوگ ہماری نشانیوں میں خون  
کرتے ہیں، تو ان سے الگ رہ یہاں تک کہ وہ  
اس کی علاوہ کسی اور بات میں خون کریں۔ اور  
اگر شیطان تجوہ کو یہ حکم بھلا دے تو ماید آنے پر ان  
طالبوں میں ہرگز نہ بیٹھے۔

اذ ائیت الٰذین يخوضون فی اذنٰننا  
فَاعرضُ عَهُمْ حَتَّیٰ يخوضُوا فِي حَدِیثٍ  
وَامَّا يَنْسِينَكُ الشَّدَّاطُونَ فَنَلِه  
تَقْعُدُ بَعْدَ الَّذِي كَرِيَّ مَعَ الْقَوْمِ  
الظَّالِمِينَ ۝

او "خوض" فی آیات اللہ کو ظلم قرار دیا۔

کاش تم جانتے کہ فرقین میں سے امن کا  
کون زیادہ حق دار ہے۔ وہ جو ایمان لائے  
اور اپنے ایمان کو ظلم سے بیس آلو دہ کیا۔  
امن دہ دیتے اپنی لوگوں کے لیے ہے۔

فَايِ الْفَرِيقَيْنِ احْقَ بِاَهْمَنْ  
اَنْ كَنَدَمْ لَعْلَمُونَ الَّذِينَ اَمْنَوْا دُلْمَ  
يَلْبَسُوا اِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اَوْ لَئِنْ لَهُمْ  
اَهْمَنْ وَهُمْ مَصْتَلُونَ ۝

جن لوگوں نے ان فوق القم چیزوں کے ایمان و اعتقاد کو اپنی کوتاہ رس عقل  
کے ظلم سے آلو دہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ امن اور سکون نفع کی دلت ان  
کے نصیب میں نہیں رہی۔

حضرت ابرہیم سے ان کی قوم نے خدا کے بارے میں محبت کی، تو جواب ملا،  
کہ "اتَّحَاجُونَ فِي اللَّهِ وَقَدْ هُدَىٰنَ" (کیا تم مجھ سے خدا کے باب میں محبت کر لے ہوئے ہیں)

لوگوں نے روح کی حقیقت دریافت کی، تو یہ کہہ کر ٹھال دیا گی کہ "قُلِ الرُّوحُ  
مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ"، وہ خدا کا ایک امر ہے۔

ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کی اولین شرط  
یہ قرار دی گئی کہ ذالک الکتاب کا دلیل فیہ عدی للستین الدین یوم منوت غائب  
رکھ جس بحث نہیں کہ اس کتاب کے اندر اُن ہی لوگوں کے لیے رہنمائی ہی، جو غائب پر ایمان رکھتے ہیں۔  
ظاہر ہی کہ جو شخص، خدا، روح، دھی والہام وغیرہ کے غمیبیات ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو  
وہ قرآن یا کسی اور مذہبی کتاب سے کیسے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے!

کسی موقع پر صحابہ تقدیر کے مسئلہ میں الجھ رہے تھے۔ آنحضرت آپ سے تو آپ کا  
چہرہ غفتے سے تمتا اٹھا، اور فرمایا کہ اگلی قومیں ان ہی باتوں سے تباہ ہو میں۔

"ان الی ربک المتنع" کی حدیث میں یہ تفسیر ہے کہ "لَا فَكْرَةٌ فِي الرَّبِّ" خدا

سے کہ "فکر" کی رسانی نہیں عقل انسانی کو یہیں تک پہنچ کر رک جانا چاہیے۔  
اس نکتہ کو بعض ائمۃ دین نے بھی خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ عقائد کو عقل آرائیوں کا  
اکھاڑہ نہیں بنایا جاسکتا، یہ صرف ایمان کی چیز ہے۔ چنانچہ حضرت سیفیان و مالک ابن انس  
وغیرہ فرماتے ہیں کہ "تروی هذن کا لاشیاء یومن بھاؤ کا یقان کیف؟" یہ باتیں صرف  
روایت و ایمان کی ہیں، چون جس کی گنجائش نہیں۔

دب، عبادات بھی اگرچہ عام مذاہب کا جزو ہیں، لیکن حقیقت میں عقائد ہی کی تفہیع  
اور لازمہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان بابطع اپنے سے زبردست طاقتوں کے سامنے نیاز  
و عبودیت کا سر جھکتا دیتا ہے، لہذا اصولی طور پر مذہب کا دوسرا جز معاملات ہی ہیں جن کا تعلق  
اخلاقی اور معاشرتی (سوشل) تعلیمات سے ہوتا ہے۔ تجھ پوچھو تو سواد اعظم کے لیے مذہب کا  
یہی حصہ زیادہ اہم، بلکہ اکثر دن کے نزدیک، تہذیب اخلاق اور اصلاح و اجتماعی تعلیمات عمل  
ہی مذہب کی اصل غایت ہے۔ بالتفصیل قرآن نے تو اس کو اتنی اہمیت دی ہے کہ عمل صالح  
کو ایمان اور "عملوا الصالحة" کو "أَمْنوا" سے جدا ہی نہیں ہونے دیتا۔

لیکن حضرات؟ یاد رکھنا چاہیے کہ اعمال و اخلاق کے لیے عقائد اُسی وقت تک

مفید ہیں، جب تک ان کی بنیاد اجتماعی اعتقاد یا ایمان بالغیر پر ہی۔ اس لیے کہ ایمان بالغیر  
ہی رکھنے والوں کی یہ شان ہو کہ بد  
”امَّا الْمُؤْمِنُونَ أَذَا ذَكَرَ اللَّهُ وَجْهٌ“ ”ایمان واللے وہی میں جن کے دل خدا کے  
ذکر سے دہل جاتے ہیں۔“

یہ اعتقاد ایمان ہی کا وصف ہے کہ ”لَا يَنْزَهُ الظَّانُ حِينَ يَنْزَهُ وَهُوَ مِنْ“  
یہ ہو ہی نہیں سکتا، کہ ایمان رکھ کر کوئی شخص زنا کا ارتکاب کر سکے۔

یہ کامقدمات منطق سے ثابت یکے ہوئے خدا کا عمل پر یہ اثر پڑ سکتا ہے؟ ارسٹو ابن  
سینا اور مسلکیین اپنے فلسفہ اور علم کلام سے جس واجب الوجود کو ثابت کرتے ہیں، کیا  
اس کے ذکر سے قلوب پر وہ وجل و ہدایت طاری ہو سکتی ہے، جو ارتکاب معصیت کے  
وقت بدن میں کچھی ڈال دے؟ کیا ”عَقَادُ لِنَفْيِ“ ”شرح مواقف“ تفسیر احمدی (سرسید)  
اور انکلام (شبلی) کے پڑھنے والوں کے دل میں وہ خشیت الہی باقی رہ جاتی ہے جو علم  
کلام کی ایجاد سے پہلے، خالی متن قرآن کی تلاوت سے حاصل ہوتی تھی؟  
اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر کیا اے حضرت ”علم کلام“ مذہب کا عدل و مسیں نہیں؟  
کیا مذہب کے نادان دوست مسلکیین، اس کے دانادشمن ملاحدہ اور مادہ پرستوں سے زیادہ  
خطراں کی نہیں؟

سعدی از دست خوشیتن فریاد!

آخر میں صرف آنا عرض کرنا اور رہ گیا ہے کہ چونکہ عقائد یا مذہب کے الہیاتی حصہ کی  
کی نسبت خالص الہیاتی نقطہ نظر یا عقل نظری (پیور ریزان) کی ردے،  
خطا و صحت کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا، اس لیے چشم ظاہر کے واسطے مختلف مذاہب میں  
باہم ترجیح و تفصیل کا منشا، اگر کوئی چیز کسی حد تک قرار پاسکھی ہے، تو وہ معاملات ہی میں ہمیں  
مذہب کا عملی جائز عقائد سے متعلق بھی اگر کچھ رکے زندگی میں جائز ہو سکتی ہے تو وہ بھی اس لحاظ

کہ انسان کی عملی زندگی کے لیے کس نوع کے اعتقادات، زیادہ سودمند اور بہتر ہیں۔  
اس بحث کو تفصیل کے ساتھ چھیرنے کا یہ موقع نہیں ہی، کسی دوسری فرصت میں اتنا شدید  
اس پر گفتگو ہو گی۔ البته موضوع بحث کی رعایت سے آنا جائز لینا ضروری ہی کہ مذہب کا عملی  
حصہ بھی علوم طبیعیہ (نیچرل سائنس) کے یقینات کی زد میں نہیں آتا ہاں علم المعاشرت  
(سوشیالوجی) و اقتصادیات (اکنامیکس) وغیرہ کے مسائل سے لصاہم ہو سکتا ہی اور  
ہوتا ہی۔

اگر دو اقتصادیات و معاشرت کے اصول نام تراستقر اپنی ہوتے ہیں، جو مختلف معقات میں  
اور زمانوں کے حالات کے ماتحت ہوتے ہیں، اور ان حالات کے اختلاف کے ساتھ ساتھ بدلتے  
رہتے ہیں، تاہم سبھیت مجموعی اور اکثریت کے لحاظ سے اگر کسی مذہب کی عملی تعلیمات کے رو  
قبول کا میعاد عقل ہو سکتی ہی، تو وہ فقط عقل عملی (پرکیٹ یکل ریزن) ہی،  
یعنی انسان کی عملی زندگی کے تجربات اور ان سے مأخوذه تابع و اصول یا به الفاظ دیگر یوں  
کہو کہ اگر کوئی علم کلام کا رآمد ہو سکتا ہی، تو وجہ علم المعاشرت و اقتصادیات وغیرہ کے متعالہ  
میں تیار کیا جائے۔

لیکن ہمارے علمائے مذہب اپنے کمال بالعلوم ترکستان کے راستہ پر چلتے رہے 5

ترسم نہ رہی بلکہ اے اے را بی  
کا ایں رہ کہ تو میردی یہ ترکستانست  
صد اکرے آیندہ کعبہ کی راہِ مستقیم کی طرف قدم پڑیں۔

اس لکھنے گو کہ قلم نہ ہونے کے بعد لکھرے زیادہ مضمون کی صورت اختیار کر لی ہی  
پھر می ایک خالص مضمون کی حضرت بیانی اور مطالب کی منطقی ترتیب و تکمیل کی پوری پابندی نہیں

کی گئی ہی تاک کم از کم لکھ کے نام کی گنجائش رہ جائے۔ اس یہ ملکے مناسب معلوم ہوتا ہی کہ ذیل میں اختصار کے ساتھ ساری بحث کا خلاصہ درج کر دیا جائے جس سے مفر سخن اکٹھ میں سنتے آجائے۔

(۱) مقصود بحث "ذہب و عقاید" میں تطبیق نہیں، بلکہ دونوں کی اختلاف نوعیت اور تبا عدیت کی توضیح دشیری ہے۔

(۲) عقاید کی دو مختلف اور اہم تقسیمات ہیں:- (۱) سامن اور (۲) فلسفہ

(۳) ذہب و سامن کی باہمی نزع اور اختلاف کا خیال اصل میں علماء کے ذہب و اہل سامن کی معرکہ آرائیوں اور اسی طرح کی بعض اور غلط فہمیوں سے پیدا ہوا ہی، ورنہ "حقیقت یہ ہے کہ ذہب و سامن کے عدو باہل الگ الگ ہیں۔ سامن کا جو صنوع ہی ذہب کو اس سے کچھ داسط نہیں، اور ذہب کو جن چیزوں سے بحث ہی، سامن کو ان سے کچھ سرد کار نہیں، فلسفہ البتہ کیس کیس ذہب سے مکرا ہی لیکن اس کا شمار قطعیات اور یقینات میں نہیں" (الکلام صفحہ ۱۱)

(۴) فلسفہ اور ذہب میں بے شک تصادم ہو سکتا تھا، لیکن دونوں کی خیت باہل جد اگانا ہے۔ فلسفہ کا منت فوق الغم چیزوں کے متعلق عقلی موشکھانیوں کی تکمین بخشی ہی ذہب جہاں قتل کی رسائی نہیں ایمان و اعتماد پر بس کرتا ہے۔ اس قسم کا ایمان و اعتماد کسی نہ کسی صورت میں داخل فطرت ہے۔

(۵) اس کے علاوہ فلسفہ کے اصولی ذہب اربعد میں اگر کسی کو ذہب کے مخالف کہا جاسکتا تھا، تو وہ صرف مادیت ہتھی۔ لیکن مادیت کی بنا اسی وقت تک استوار رہتی، جب تک

یہ دیکھ کر ہوتی ہوئی کہ اُستاد مرحوم علامہ شبیلی کی اس دلیل داہم نکتہ پر زندگی پر مبہی الکلام ہی میں عمل کیا گی اور تو اور اللہ تعالیٰ جو برسوں آن کی اڈیٹری میں بخت رہا، اس پر جلی قلم سے "تطبیق معقول و منقول" کا معقدہ ثابت رہتا تھا اس میں تطبیق سامن ذہب سے متعلق خود آن کے اور آن کے ارشد مذاہدہ کے قلم کو ذمیوں مفہیم نکلے ہیں۔

خود مادہ کے بارے میں گفتگو نہیں چھڑتی ہمی۔ مگر اب جب کہ مادہ کی حقیقت کیسی اس کا وجود ہی مشتبہ ہو گی، تو لازماً مادیت کی ساری عمارت زمیں دوز ہو گئی۔  
 ۱۶۰ اس کشمکش سے پچنے کے لیے دو رجیدیک کے بہت سے حکماء فلسفہ سے فوق الفطر دیکھیں، مباحثت سے کن رہ کش ہو کر لاعلمی یا لا ادراست کی آڑ میں پناہ لینا چاہی۔ لیکن عدم علم عدم وجود کو مستلزم نہیں۔ بلکہ صحیہ ہی کہ مادر اسے طواہ ( اپرنسن ) کی تسبت اعتراف لاعلمی ہی میں کسی باطنی حقیقت کا اعتقاد جھلک رہا ہی جس سے حکیم و فلسفی، عالم و جاہل کوئی اپنا دامن نہیں حٹھ پڑا سکتا۔

بہ قول آپنسن کے کہ ”اگرچہ اس ہستی مطلق کا علم نہیں، لیکن اس کا ایجادی اور قطعی وجود ہمارے اساس شعور کا لازمہ ہی؛ جب تک شعور قائم ہی، اس سے ایک لمحہ کے لیئے بھی ہم رہائی نہیں حاصل کر سکتے۔ لہذا یہ لیقین جس پر نفس شعور کا دار مدار ہی، ہر طرح کے لیقین سے ارفع اور ہڑھ کر ہی۔“

اسی بنا پر حب منی کا مشہور فلسفی ثاء کیمیے پکار رائٹا کہ ”ذی عقل ہستی ( انسان ) کی انتہائی سعادت یہی ہی کہ اپنی عقل اُن ہی چیزوں میں دوڑائے جاں ہو چل سکتی ہی، اور جس شے کی توصیف و تشریح نہیں ہو سکتی، اس کے سامنے خاموشی کے ساتھ سر عبودیت جگکا دے۔“

۱۶۱) مذہب بھی بعینہ ہی چاہتا ہی کہ ”تفکر و افی الخلائق و لا تفکر و افی الحالات“ اس لیے محلی بد دینی کی منادی کرنے والوں ( ملاحدہ ) سے کہیں زیادہ وہ حامیاں نہیں ( مستکثّین ) دین کے دشمن ہیں جو ”تفکر و افی الحالات“ کی بدعت کے مذہب کی طرف سے موجود ہیں۔

۱۶۲) علم کلام کی بدولت خود مذہب والوں میں خدا عقل کی شو خیوں اور گستاخیوں کا گھلومنا بن گیا، اور ”اذ اذ ذکر الله وجلت قلوبهم“ کا اصلاح اعمال و معاملات پر جو اثر رکھا

وہ فکر و استدلال کے گڑھے ہوئے خدا کے ذکر میں مفقود ہو گی۔  
 (۱) نزہب کے دو حصوں (۱) عقائد و (۲) اعمال میں سے عقل کے لئے اگر کچھ کجا بخش  
 نخلتی ہی تو صرف ثانی الذکر میں اس لیے اگر کسی علم کلام کا وجود کسی حد تک جائز ہو سکتا ہی تو  
 وہ جس کو صرف اسرارِ اعمال سے بحث ہی، لیکن اعمال میں بھی عقل آخری حکم نہیں فراہ پائجتی  
 یعنی جو بات آج خلاف عقل معلوم ہوتی ہی، اس کا ہمیشہ خلاف عقل معلوم ہونا، یا فی لفظ  
 نامعقول ہونا ضروری نہیں۔

اس لیے کہ عقل اور بالتحصیص عقل عملی کی حقیقت، جو کچھ ہی، اس کو مولانا حالی کی جگہ  
 زبان سے من رکھو ۵  
 دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سے کہا گیرل عقل صواب اندیش کی سبق فوجاے  
 ہنس کے عادت کے کہا کیا عقل ہی مجھ سی الگ میں ہی بن جاتی ہوں نہ ادا فہرست عقل را

